

کافی ہاؤس

حمید کاشمیری

انتہائی عزیز اور مخلص دوست
میر حامد علی کیلئے
محبت کے ساتھ ۔

حمید کاشمیری
۱۶/۱/۸۰ء

حمید کاشمیری

کافی ہاؤس

مکتبۂ افشاں

۹ ۔ فضل منزل پارا اسٹریٹ ۔ صدر کراچی ۔ ۳

ناشر ———— سلیم اے کاشمیری
طابع ———— آئیڈیل پیکجز کراچی ۱۷
خوش نویس ———— احمد منور بخت
قیمت ———— 25/- روپے

مقامِ اشاعت

مکتبہ افشاں

۹۔ فضل منزل پارا اسٹریٹ ۔ صدر کراچی ۔ ۳

یاسر حمید

______ کے نام

- کافی ہاؤس کے تمام ڈرامے بختیار احمد نے پروڈیوس کیے ہیں
- کاظم پاشا معاون تھے۔
- کلام امجد فاضلی کا تھا۔
- عنوانات کے لیے ہم غالبؔ کے مرہونِ منت ہیں۔
- تاج حیدر سیریز میں اول سے آخر تک ساتھ رہے اور تحقیق کی۔

محسن علی لکھتے ہیں

یہ تو ادب والے جانیں کہ حمید کاشمیری کا لکھنے والوں میں مقام و مرتبہ کیا ہے؟ میں نے معتبر اور ثقہ ادیبوں سے یہی سنا ہے کہ ان کا شمار افسانہ نگاروں کی صف اول میں ہوتا ہے۔ فکشن کے ایک ناچیز قاری کی حیثیت سے میں نے ان کے افسانوں کا مجموعہ "دیوار میں" بڑے غور سے پڑھا ہے اور اس کا ہر افسانہ مجھے اچھا لگا ہے جبکہ ہر آدمی کا ہر افسانہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔

اس سے الگ حمید کاشمیری نے اپنے افسانوں پر مبنی، دوسرے ادیبوں کی کہانیوں سے ماخوذ اور بعض طبعزاد کھیل ٹیلی ویژن کے لیے لکھے ہیں ان میں سے بیشتر کامیاب و مشہور بھی ہیں۔ خاص طور پر "شاہراہِ عظیم۔ اکھاڑہ۔ بھنور۔ پت جھڑ کے بعد۔ کھیت کھیت ہریالی" جیسے یادگار ڈرامے کسے یاد نہ ہوں گے۔

حمید کاشمیری سے ہمارا رابطہ اور تعلق خاطر پہلے ٹیلی ویژن کے ناطے ہی ہوا۔ جو رفتہ رفتہ مخلصانہ دوستی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ وہ نہ صرف اچھا ادیب اور افسانہ نگار ہے بلکہ یاروں کا یار اور پیارا دوست بھی ہے۔

ستائش باہمی پر محمول نہ کیا جائے تو خدا لگتی بات یہ ہے کہ حمید کاشمیری کو ٹیلی وژن میڈیم کی جس قدر شناخت ہے اور تکنیکی لوازم پر جتنا عبور ہے اتنا بہت کم لکھنے والوں کو ہے، اس کا اپنا ایک حقیقت پسندانہ اور دل نشیں انداز و

اسلوب ہے جو ٹی وی جیسے کمرشیل میڈیم کے دشوار گزار اور کٹھن مرحلوں سے گزر کر بھی انفرادیت کا پرتو دکھاتا ہے۔ اس کی سب سے متواتر اور مسلسل مثال کے طور پر میں "کافی ہاؤس" ڈرامہ سیریل کا نام لینا واجب سمجھتا ہوں اس میں حمید کاشمیری نے زندگی کی تلخ، ترش، شیریں باتیں بڑی ہنرمندی سے پیش کی ہیں۔ ناہمواریاں دکھائی ہیں۔ کوہ کنی کی ہے اور واقعی جوئے شیر بہا دی ہے۔ میر تقی میر خدائے سخن تھے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ حمید کاشمیری نیا فرہاد ہے اور شہیدِ جہادِ زندگانی ہے ورنہ شاید یہی کہا جاتا ہے۔

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے "یا استاد"

اللہ تعالیٰ حمید کاشمیری کو زندہ و تابندہ اور خوش رکھے۔ میرے لیے یہ بات باعثِ فخر و نشاط ہے کہ حمید کاشمیری جیسے بلند پایہ ادیب، عمدہ ڈرامہ نگار اور پیارے انسان سے میری دوستی ہے اور اس نسبت سے کلماتِ خیر قلم بند کرنے کا موقع مجھے مل سکا۔

سید محسن علی
پاکستان ٹیلی وژن کارپوریشن
کراچی سنٹر

بختیار کی باتیں

۱۹۷۲ جنوری میں جب میں کراچی آیا تو چند ماہ میں ایک نام بار بار سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ڈرامے کے حوالے سے افسانہ نگاری کے حوالے سے۔ پھر اس نام والے شخص کی محبتوں کی داستانیں بھی سننے میں آتی رہیں۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ اس کی ایک دکان ہے کتابوں کی۔ الفی پر۔ میں جب بھی الفی سے گذرتا اس دکان اور اس شخص کو ڈھونڈتا۔

پھر ایک آدھ مرتبہ اس شخص کو ٹیلی ویژن سنٹر کے احاطے میں سرسری طور پر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ حتٰے کہ الیکشن ۱۹۷۷ کے لیے جب مجھے ایک کھیل کرنے کے لیے کہا گیا تو میری ملاقات جناب حمید کاشمیری سے ہوئی۔ اس کھیل کے اسکرپٹ پر کام ہوا چند ریہرسلیں بھی ہوئیں لیکن پھر بوجوہ وہ کھیل ترک کرنا پڑا لیکن حمید کاشمیری سے محبت ہو گئی۔

پھر ایک رات جب میرے گھر کے ٹیرس پر میں اور تاج حیدر بیٹھے اونچا سوچ رہے تھے (لاؤڈ تھنکنگ) تو اچانک میں نے کہا کیوں نہ کافی ہاؤس پر ایک کھیل کیا جائے جس میں ان دانشوروں کی نجی زندگی کی جھلکیاں دکھائی جائیں پھر خیال آیا کہ کافی ہاؤس کے نام سے ایک کھیل حمید کاشمیری کر چکے ہیں۔ اور پھر سب سے بڑی بات کہ وہ خود ایک زمانے تک کافی ہاؤس کے باسی رہ چکے ہیں۔

پھر ہم دونوں حمید صاحب کے ہاں جا پہنچے اور یوں کافی ہاؤس کا سلسلہ چل نکلا۔

بحیثیت پروڈیوسر مجھے کافی ہاؤس سے کوئی بھی شکایت نہیں رہی بلکہ میں اکثر و بیشتر اس سیریز کی نرم خرامی سے حیران ہوتا تھا۔ اچھے اداکاروں کی ٹیم تاج حیدر اور حمید کاشمیری کا ساتھ۔ اور کہنے کو بیطوف اور دل لگتی باتیں۔

ہمارے معاشرے میں یہ جو ایک خیال پایا جاتا ہے کہ کافی ہاؤس میں دانشور صرف شعر، ادب، فلسفہ وجودیت، عدم وجودیت، ابہام، ابلاغ اور اسی نوع کی باتیں کرتے ہیں لہٰذا بے کار لوگ ہیں۔ وہ خیال دراصل اتنا صحیح نہیں ہے۔ آخر وہ لوگ بھی گھر بار والے ہیں۔ سوتے جاگتے ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ روتے ہنستے ہیں۔ جھوٹ سچ بولتے ہیں محبت نفرت کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم نے طے یہی کیا کہ انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے۔ پھر میری خوش قسمتی سے حمید کاشمیری اور تاج حیدر کا کافی ہاؤس کا تجربہ ہمیں کئی واقعاتی کہانیاں بھاتا رہا۔ اسی لیے اس سیریز نے فوراً عوام و خواص کو چھو لیا اور اس ابلاغ کو جس کا رونا اکثر لوگ روتے ہیں، کافی حد تک ممکن بنا دیا۔

اداکاروں نے جس محبت اور خلوص سے اس سیریز میں کام کیا وہ بھی قابلِ داد ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ اکثر کھیلوں میں بڑے بڑے اداکار بھی چند لائنوں تک محدود رہتے تھے لیکن وہ اس کافی ہاؤس کے خاندان کا فرد ضرور لگتے تھے اور ایک ڈرامہ ایسا آتا تھا جہاں وہ اپنے بھرپور جوہر دکھا رہے ہوتے تھے۔

حمید صاحب کی محبتوں کا کیا ذکر کیا جائے وہ تو بس ایک عجیب چیز ہیں ناراض ہونا جیسے سیکھا ہی نہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ بعض اوقات میں اور تاج ان کی اس محبت سے جائز حد سے چندے آگے بھی فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ مثلاً اسکرپٹ آیا اور ہم نے محسوس کیا کہ یہ پچیس منٹ سے آگے بڑھ جائے گا لہٰذا ایک آدھ سین کاٹ دیا اور حمید صاحب کو فون کر دیا کہ کچھ بڑھ رہا تھا ہم نے ایک سین کاٹ دیا ہے۔ حمید صاحب کی مسکراہٹ فون پر بھی نظر آجاتی تھی۔

اور وہ صرف یہی کہتے تھے کہ اچھا ہی کیا ہو گا۔ یعنی اتنا اعتماد انہیں ہم پر تھا کہ اب ہم سوچتے ہیں تو شرمندہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے، پروڈیوسر وہاں بہت خود غرض ہو جاتا ہے جہاں اس کے کھیل کا معاملہ آجائے۔ بہر حال حمید صاحب میری خود غرضیوں کی لاج رکھ لیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار تھے اور ہم معرکہ اسکرپٹ کل چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے اس علالت میں بھی کام کیا اور خوب کیا اور حمید صاحب میں آپ کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

فن میں دعوے اکثر بھلا نہیں لگتا۔ خاص کر سامنے والوں کو۔ لیکن بنا دعوے کے بعض اوقات بات سمجھائی بھی نہیں جا سکتی۔ اپنی بساط سے بڑھا ہوا دعوے باطل ہو جاتا ہے اور بساط بھر دعوے آپ کو کام کر کے دکھانے کا چیلنج عطا کرتا ہے۔ کافی ہاؤس بھی ایک دعوے تھا جو چیلنج بنا اور اس کا خاص و عام سے مقبولیت کی سند لینا، اس دعوے کی تصدیق ہوا۔

اللہ کرے، ہم اپنی بساط بھر دعوے کرتے رہیں۔ حمید صاحب لکھتے رہیں اور جیتے جاگتے معاشرے کو پیش کرتے رہیں۔ اس طور پر کہ معاشرہ خود کو دیکھتا رہے اور شعور کی منزلیں طے کرتا رہے۔ اللہ کرے۔ اللہ کرے۔ آمین۔

بختیار احمد

پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن کراچی

عرضِ مصنف

"کافی ہاؤس" سے پہلے ایک کتاب "ٹیلی ویژن ڈرامہ" کے نام سے آ رہی تھی جس میں میرے منتخب ٹی وی ڈراموں کے علاوہ فن اور تکنیک پر کچھ ٹھوس قسم کی گفتگو بھی شامل تھی لیکن چند اسباب کی بنا پر مذکورہ کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی اور "کافی ہاؤس" پہلے آ گیا اور اب چونکہ آ گیا ہے تو کچھ دیر کافی ہاؤس میں ستا لیں اور پھر آ گے "ٹیلی ویژن ڈرامہ" کی جانب چلیں گے

"کافی ہاؤس" پاکستان ٹیلی ویژن کا غالباً پہلا سلسلہ ہے جو مسلسل بھی ہے اور جس کا ہر ڈرامہ تسلسل سے ہٹ کر اپنی جگہ ایک مکمل ڈرامہ بھی ہے اس طرح کی کوشش ٹی وی پر پہلے یا تو ہوئی نہیں تھی اور اگر ہوئی تو شاید کامیاب نہیں ہو سکی۔ جب کافی ہاؤس شروع ہوا تو اس کی کامیابی کا بھی کسی کو یقین نہیں تھا میں خود بھی گومگو کے عالم میں یہ تجربہ کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کافی ہاؤس ایک ایسا مرکز ہے کہ جہاں دانشور یکجا ہو کر چائے کافی پیتے ہیں اور خشک موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں۔ عام خیال یہی ہے کہ اس گفتگو سے کوئی مفید نتیجہ نکلے تو نکلے ڈرامہ نہیں نکل سکتا۔ میں نے اس چھوٹے سے کافی ہاؤس میں سے ڈرامہ "نکالنے" کی سعی کی ہے۔ میری ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ کہانی اور ڈرامے کے لیے کتابوں کی الماری کی طرف

جانے کی بجائے انسانوں کے چہروں کے پیچھے جاؤں اور دِل کے گہرے سمندروں میں سے جو کچھ ملے اسے کھنگال کر سامنے لاؤں۔ اِسی جستجو کے تحت میں نے کافی ہاؤس کے ہر کردار کو اندر سے باہر نکال کر ڈرامہ بنا دینے کی کوشش کی ہے۔ میرے پاس صرف پچیس منٹ تھے اور پچیس منٹ میں کہانی کو سمیٹ کر اس طرح اختتام تک پہنچانا تھا کہ کافی ہاؤس کی روح اور روایت بھی برقرار رہے۔

ویسے تو یہ احساس تھا کہ لوگ ہماری کوششوں کو سراہ رہے ہیں لیکن سیریز کی مقبولیت کا صحیح اندازہ سیریز کے بند ہونے کے بعد ہوا کہ ہر وہ آنکھ جو ٹی وی دیکھتی تھی اس نے کافی ہاؤس کی کمی کو انتہائی شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اسے جاری رکھنے کی فرمائش کی۔ ناظرین کے اسی اشتیاق کے پیشِ نظر اس وقت کے جنرل منیجر کراچی ٹی وی جناب ناصر صدیقی نے نہایت مخلصانہ طور پر "کافی ہاؤس" کو دوبارہ شروع کرنے کی دعوت دی لیکن کافی ہاؤس کے بکھرے ہوئے کرداروں کو دوبارہ سمیٹنے کا موڈ نہ تو میرا بن سکا اور نہ بختیار کا۔ ویسے بھی بڑے بڑے اداکار اپنا اپنا رول کر کے فارغ ہو چکے تھے اور اب صرف ان کی موجودگی کا احساس قائم رکھنے کے لیے انہیں سیٹ پر موجود رہنے کی زحمت دی جاتی تھی لہٰذا محض ایک مکالمے کے لیے ایسے بڑے فنکاروں کو دوبارہ کافی ہاؤس کے سیٹ پر باندھ رکھنا مشکل بھی تھا اور غیر مستحسن بھی بہرحال کافی ہاؤس کی ایک ثقافتی اہمیت اور ڈراموں کے ادبی مزاج کے پیشِ نظر میں نے ضروری سمجھا کہ اس سیریز کے بیشتر کھیل ادب کے قارئین کے لیے کتابی صورت میں یکجا کر دوں۔

ڈرامہ لکھتے وقت میں نے شعوری کوشش کی ہے کہ کافی ہاؤس کی علمی و ادبی گفتگو کا سرسری جائزہ لے کر کردار کے گھر کی طرف چلا جاؤں اس گھر کی طرف جہاں وہ خود بہت کم جاتا ہے۔ میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتا

کہ میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں۔ تاہم مجھے میرے ایک ناظر نے بہت حوصلہ دیا جس نے کافی ہاؤس دیکھنے کے بعد کہا تھا کہ "اب اگر میں کسی ہوٹل میں پندرہ آدمی بیٹھے دیکھتا ہوں تو وہ مجھے پندرہ ڈرامے معلوم ہوتے ہیں۔"

میں اپنے دوست اور پروڈیوسر بختیار احمد کا ممنون ہوں جنہوں نے تاج حیدر کی رفاقت میں اپنی فنکارانہ مہارت سے اس سیریز کو کامیاب بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ان کے بغیر اس سیریز کا کوئی تصور نہیں تھا۔

حمید کاشمیری

کافی ہاؤس کے چند مستقل کردار

شاعر بجمی ——— سبحانی بایونس

انشورنس ایجنٹ ——— محمود علی

سی آئی ڈی والا ——— محمد یوسف

بیرا رمضو ——— نصیر احمد

صحافی ——— مشتاق احمد

آرٹسٹ ——— ثاقب شیخ

فلمی شاعر ——— محبوب

انقلابی ——— مظاہر جبین

ایکٹر ——— اقبال قریشی

غنڈہ مجو ——— ایم وارثی

سنگر ——— سلیم شہزاد

جمشید ——— محمود اختر

کافی ہاؤس کا بوس ——— لیاقت درّانی

دوسرا بیرا علمو ——— نذر حسین

تاجر ——— یحییٰ

کیشیر ——— شہناز صدیقی

بوس کا بیٹا ——— شبیر رانا

ترتیب

درد آشنا	مرکزی کردار شاعر	سبحانی بایونس
آشوبِ غم کا حوصلہ	" انشورنس ایجنٹ	محمود علی
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے	" سی آئی ڈی والا اور انقلابی	محمد یوسف اور مظہر
جامِ سفال اچھا ہے	" بیرا	نصیر احمد
شکستِ آرزو	" فلمی شاعر	محبوب
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل	" غنڈہ مجو	ایم وارثی
گرفتارِ وفا	" آرٹسٹ	ثاقب شیخ
افسوس حاصل کا	" افسانہ نگار	محمود اختر
حرفِ مکرر نہیں ہوں میں	یہ آخری قسط تھی جس کی تھیم کافی ہاؤس ہے اس میں طلعت حسین اور طلعت اقبال نے نمایاں کردار ادا کئے ہیں جبکہ کافی ہاؤس کے دوسرے تمام اداکاروں نے حصہ لیا۔	
سنگِ گراں اور	" صحافی	مشتاق احمد
گھر ہونے تک	" ایکٹر	اقبال قریشی

یہ دو ڈرامے کتاب میں شامل نہیں ہو سکے جس کے لیے ہم قارئین سے بھی اور ڈراموں کے مرکزی کردار مشتاق احمد اور اقبال قریشی دونوں سے معذرت خواہ ہیں۔ دونوں ڈرامے دوسرے مجموعے میں شامل ہونگے۔

درد آشنا

شاعر (نجمی)	سبحانی بایونس
بیوی	بشریٰ نذیر
مالکِ مکان	ماجد علی
غنڈہ	وارثی
محمد خاں	اے کے پٹیل
ایڈیٹر	اعجاز حسین
تاجر	ایم یحییٰ
رمضو	نصیر احمد
علم دین	نذر حسین
انقلابی	مظاہر حسین
آرٹسٹ	ثاقب شیخ
فلمی شاعر	محبوب
صحافی	مشتاق احمد

چھپ چھپ کے روؤں اور سرِ انجمن ہنسوں
مجھ کو یہ مشورہ مرے درد آشنا کا تھا

احمد ندیم قاسمی

- سین نمبر ۱ : آؤٹ ڈور
- شہر کا ایریل ویو،
- حبیب پلازہ کی بلندی
- اونٹ گاڑی
- کسی سڑک پر رکی ہوئی جام ٹریفک۔
- سڑکوں پر دوڑتی ہوئی قطار اندر قطار تیز گاڑیاں۔
- گودی میں کام کرتے ہوئے مزدور
- اسکولوں کے بچے۔

اِنقلابی ایک جگہ پان کی دکان سے پان خریدنے لگتا ہے تو کیمرہ اُس پر ساکت ہوجاتا ہے لیکن اِنقلابی جب کیمرہ کی طرف دیکھتا ہے تو کیمرہ اِنقلابی سے ہٹ کر اوپر بلڈنگ کی جانب TILD UP ہوجاتا ہے اور پھر جب اِنقلابی پان خرید کر چلتا ہے تو کیمرہ اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔

کافی ہاؤس کا سائن بورڈ۔ سائن بورڈ کے نیچے سے اِنقلابی کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے۔

کٹ

سین نمبر۲: کافی ہاؤس ۔ شام کا وقت

(انقلابی چند میزوں کے قریب سے گزر کر اور علیک سلیک کرتا ہوا ایک خالی کرسی کی طرف آتا ہے ۔ اور بیٹھتا ہے ۔

(انقلابی کے ROW سے سی آئی ڈی والے کو اس کرسی پر بٹھایا جاتا ہے سی آئی ڈی والے کی میز سے کافی ہاؤس کے ماحول کا ایک سرسری جائزہ لیا جاتا ہے ۔ L/S میں دکھایا جاتا ہے کہ انقلابی کی میز پر چار سے زیادہ لوگ بیٹھے ہیں ۔ ایک آدھ آدمی اور کرسی گھسیٹ کر مجمع میں شامل ہو رہا ہے اس کے علاوہ L/S میں یہ بھی اسٹیبلش کیا جاتا ہے ـــــ کہ اکا دکا آدمی اپنی میز سے کرسی گھسیٹ کر دوسرے کی میز کی جانب لے جا رہا ہے ۔ سی آئی ڈی والا جیب سے خالی سگریٹ کا پیکٹ نکالتا ہے پھر بال پین نکال کر رگڑتا ہے اور پھر چٹکی بجا کر بیرے کو بلاتا ہے ۔

میز نمبر ۱

سی آئی ڈی والا : علمو ۔

علم دین : جی صاحب ۔

سی آئی ڈی : کاغذ کا ٹکڑا لانا میاں ۔

علم دین : اور صاحب ؟

سی آئی ڈی : اور پنسل لے آؤ ۔

علم دین : اور صاحب ؟

سی آئی ڈی : اور ایک گلاس پانی لیتے آؤ ۔ ٹھنڈا ۔

علم دین : بہت اچھا صاحب ۔ (کٹ)

کاؤنٹر

(علم دین کاؤنٹر کے قریب رمضو کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے ۔ وہ کاؤنٹر کے جگ کاٹ کر پانی کا گلاس بھرتا ہے اور ساتھ ساتھ رمضو سے بات بھی کرتا جاتا ہے)

علم دین : یہ کون ہے چچا رمضو ؟

رمضو : ڈیلی وجیٹر VISITOR

علم دین : کون ؟

رمضو : ارے روز آنے والا۔

علم دین : (بڑبڑاتا ہوا) یہ بھی روز آنے والا۔ وہ بھی روز آنے والا۔ اور وہ بھی روز آنے والا۔

رمضو : (کاٹ کر) ارے یہاں سب روز آنے والے ہیں علم دین۔ یہ کافی ہوز ہے نیا گراہک تو برسوں میں ایک چڑھتا ہے ہاں۔

علم دین : (آگے بڑھ کر کیشیر سے) ایک کاغذ دے دو۔

(کیشیر لکھنے میں مصروف ہے اور مصروفیت کے عالم میں ہی علم دین کو کاغذ کی چٹ پھاڑ کر دیتا ہے)

علم دین : ذرا پنسل بھی دینا صاحب۔

کیشئر : ابھی دیتا ہوں۔

(علم دین ہٹ کر رمضو کے پاس آجاتا ہے)

علم دین : پھنس گئے رمضو چچا ہم تو۔ مال پانی کوئی نہیں ہے یہاں۔

رمضو : تجھے تو ابھی دو ہی دن ہوئے ہیں علم دین۔

علم دین : مگر تم نے پندرہ سال کیسے گزارے رمضو چچا ؟

رمضو : پندرہ دن ٹک جاؤ تو آپی جواب مل جائے گا۔

علم دین : پندرہ دن ؟ ایک گھنٹے میں صرف چار کافی اور دو چائے چلی ہے۔

رمضو : یہاں علم چلتا ہے علم دین۔ چائے کافی ذرا کم ہی چلتی ہے۔

علم دین : علم کا چسکا تو تجھے ہوگا۔ جبھی تو پندرہ برس تم نے یہاں بہشتی بن کر پانی پلاتے ہوئے گذار دیئے میں تو پیسہ بنانے کے لیے شہر آیا ہوں۔

رمضو : پیسہ بنانے کے لیے تو سارا شہر ہے علمو۔ یہاں پیسہ کہاں ؟

(معاً انقلابی کی میز پر تالیاں بجتی ہیں)

(انقلابی کی میز پر سب تالیاں بجا رہے ہیں اور آرٹسٹ اپنی تصویر ہاتھ میں بلند کر کے دکھا رہا ہے۔ پھر نوٹس بورڈ پر لگانے کے لیے جاتا ہے)

رمضو : یہ آرٹسٹ ہیں زبردست۔

علم دین : اور وہ سفید بالوں والے۔

رمضو : یہ لیڈر ہیں انقلابی۔ بڑے معرکے کی تقریر کرتے ہیں۔

علمو : اور وہ جوان کے ساتھ بیٹھے ہیں شیروانی والے ؟

کیشئر : (پنسل بجاتا ہے) یہ پنسل لے جاؤ علمو!

(علم دین پنسل اور کاغذ لے کر اور پانی کا گلاس ٹرے میں رکھ کر سی آئی ڈی والے کی طرف جاتا ہے۔ کیشئر دراز سے نئی پنسل نکال کر بنانے لگتا ہے)

آواز : رمضو خان!

رمضو : آیا صاحب۔ (کٹ)

انقلابی کی میز

(مجمع میز پر اور بڑھ گیا ہے۔ انقلابی، آرٹسٹ، صحافی، موسیقار، انشورنس ایجینٹ، ناول نویس جمشید، ایکٹر، فلمی شاعر۔ اس کے علاوہ مزید چند لوگ پھنسے پھنسائے بیٹھے ہیں اور ایک ہنگامہ برپا ہے۔ کوئی کسی کی بات نہیں سنتا۔ سب اپنی اپنی ہانک رہے ہیں لیکن ان میں انقلابی کی آواز نمایاں ہے تاہم سب ایک دوسرے سے مخاطب ہیں)

انقلابی : مجرد کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ ایک احساس تنہائی ہے، مایوسی اور فرسٹیشن ہے۔ جینوین لوگ تجرید سے گریز کرتے ہیں۔

آرٹسٹ : کیوں کیوں، کیوں۔ روسیوں نے روسیوں نے وہ جو کلاسیکی آرٹ

انقلابی : (کاٹ کر) بکواس ہے۔

رمضو : (آہستہ سے) جی صاحب!

(کوئی رمضو کی بات نہیں سنتا)

اِنقلابی: وہ زار کے زمانے میں جب ان کے پاس واضح اور صاف برش چھن گیا تو انھوں نے علامتوں اور رنگوں کے ذریعے اپنی تصویروں کا مفہوم ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ چلو جی تجریدی آرٹ ہو گیا۔ وہ ایک ضرورت تھی فیشن نہیں تھا)

رمضو: (بہت زور سے) جی صاحب!

(سب لوگ رمضو کی آواز سن کر ایک دم چپ ہو جاتے ہیں اور رمضو کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اس وقت رمضو اپنے چہرے پر نہایت ہی نرمی ملائمت اور شائستگی پیدا کر کے پوچھتا ہے)

رمضو: (لہجہ نرم کر کے) جی صاحب۔

اِنقلابی: رمضان خان، یوں کہ ہیں آپ (آرٹسٹ سے) تم بولو یار۔

آرٹسٹ: ییس؟

اِنقلابی: اور کیا تصویر تم نے بنائی ہے۔ یو آر دی ہوسٹ۔ جلدی کرو۔ رمضو میاں اِنتظار کر رہے ہیں۔

آرٹسٹ: رمضان میاں سحافی صاحب جب بضد ہیں تو پھر لے آئیے ایک

دوسرا آدمی: (کاٹ کر) ایک؟

صحافی: (دھپ مار کر) خود غرض۔ صرف ایک؟

آرٹسٹ: اچھا رمضان میاں ایسا کریں۔ ایک دو تین چار پانچ.... آٹھ نو دس لے آؤ۔

رمضو: دس کافی جناب؟

آرٹسٹ: نہیں رمضان، کافی نہیں۔

رمضو: چائے؟

آرٹسٹ: نہیں میاں دس گلاس پانی ٹھنڈا (رمضو قہقہہ لگاتا ہے)

رمضو : ابھی لایا صاحب !
ایک آدمی : ہٹ تیرے کی یار۔ سب مزا کرکرا کر دیا۔ ایمان سے اِتنی اچھی تصویر بنائی تھی کہ پکاسو یاد آ گیا۔
اِنقلابی : لاحول ولاقوۃ۔ تم جہاں کہیں کیڑے مکوڑے دیکھتے ہو تمہیں پکاسو یاد آجاتا ہے۔
آرٹسٹ : یہ کیڑے مکوڑے ہیں ؟
اِنقلابی : اور کیا ہیں ؟
آرٹسٹ : اگر میں تم سے واقف نہ ہوتا کامریڈ تو میں کہتا تم میری تصویروں سے جیلس ہو۔ لیکن چونکہ میں تمہیں جانتا ہوں اِس لیے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم فنونِ لطیفہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔
اِنقلابی : میں ؟
آرٹسٹ : ہاں۔ بنیادی طور پر تم کافی ہاؤس کے اِنقلابی ہو جس کا انقلابی کینوس صرف یہ میز ہے۔
اِنقلابی : تم اپنے کینوس سے باہر نہیں نکل سکتے آرٹسٹ، تمہارے حساب سے تو جمالیاتی حِس یا آرٹسٹوں میں ہوتی ہے یا شاعروں میں ؟
آرٹسٹ : ہاں ہوتی ہے آرٹسٹوں اور شاعروں کے اندر واقعی جمالیاتی حِس اوروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً تصویر کی جو پہچان نجمی صاحب کو ہے تمہیں نہیں ہو سکتی۔
انقلابی : ہاں نجمی تمہاری تصویروں کی تعریف جو کرتا ہے۔
آرٹسٹ : تصویر کو سمجھتا ہے تو تعریف کرتا ہے
اِنقلابی : (اچانک چونک کر) لیکن یار نجمی آج ہے کہاں، اسے دیکھا ہی نہیں۔
(رمضو پانی کے گلاس لاکر رکھنا شروع کر دیتا ہے)۔
آرٹسٹ : یہی تو بات ہے سجانی۔ اگر تمہارے اندر کوئی جمالیاتی حِس ہوتی تو

تمہیں معلوم ہوتا کہ یونیورسٹی میں آج مشاعرہ ہو رہا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۳ (مشاعرہ)

(مشاعرہ عروج پر ہے۔ کافی ہاؤس سے کٹ کر کے ہم سیدھا نجمی کے ہونٹوں پر آرہے ہیں وہ اس وقت مائیکروفون پر اپنی غزل کے آخری اشعار سنا رہا ہے۔ نجمی نے شعر پڑھا تو مشاعرہ گاہ سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے چاروں طرف سے واہ واہ، سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ یوں لگتا تھا مشاعرہ گاہ الٹ گئی ہے۔ نجمی نے مقطع پڑھا اور جلدی سے ڈائس پر ایک کونے میں اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی عقب سے چند پرستار لڑکے اور لڑکیاں اسٹیج پر چڑھ آئے اور نجمی سے آٹوگراف لینے لگے۔ اُدھر مشاعرہ گاہ میں شور جاری ہے۔ لوگ ونس مور ونس مور پکار رہے ہیں اور نجمی نجمی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اسٹیج سیکرٹری مائیک سے اعلان کرتا ہے)

اسٹیج سیکرٹری: اب ہم زحمت دیتے ہیں جناب آصف کاشانی کو کہ وہ تشریف لا کر اپنا کلام مرحمت فرمائیں۔

آوازیں: نجمی نجمی نجمی۔ ونس مور ونس مور (سیٹیاں)

اسٹیج سیکرٹری: خواتین و حضرات! نجمی صاحب کو دوبارہ زحمت دی جائے گی۔ لیکن فی الحال تسلسل برقرار رکھنے کے لیے آپ جناب آصف...،

آوازیں: نجمی نجمی نجمی نجمی۔

اسٹیج سیکرٹری (ہاتھ کا اشارہ کر کے) میں نجمی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تشریف لائیں۔

(تالیاں)

(نجمی اٹھتا ہے۔ مائیک پر آتا ہے اور نجمی کی حمایت میں شور و غوغا بلند ہوتا ہے۔ نجمی ہلکا سا کھنکار لگاتا ہے تو شور ختم ہو جاتا ہے)

نجمی: عرض کیا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر۴ (کافی ہاؤس)

(نجمی غزل سنا رہا ہے اور اس کے اطراف کافی ہاؤس کا سب سے بڑا مجمع ہے جس میں انقلابی سمیت ہمارے کم و بیش تمام مستقل کردار موجود ہیں۔ نجمی کے شعر پر بے اختیار داد مل رہی ہے اور سبحان اللہ واہ واہ کی آوازوں نے آسمان اٹھا رکھا ہے۔ اسی کیفیت میں غنڈہ مجمع کے قریب سے گزرتا ہے۔ انقلابی اور دوسرے لوگوں کو سرسری سلام کرتا ہے لیکن جھک کر نجمی کے پاؤں اس طرح پکڑتا ہے جیسے کوئی مرید کسی پیر کے پاؤں پکڑے)

غنڈہ : (پیروں کو چھوتا ہوا) آپ کا نوکر ہوں استاد گرامی۔

نجمی : (تھپک کر) جیتے رہو رجو۔

(نجمی مشفقانہ انداز میں پیٹھ تھپکتا ہے۔ غنڈہ تھپکی لے کر چلا جاتا ہے۔ اور کہیں اور اپنی پارٹی میں بیٹھ جاتا ہے۔ فلمی شاعر میز تھپتھپاتا ہے)

آوازیں : سبحان اللہ، سبحان اللہ، واہ وا۔

(نوجوان بیرا علمو آتا ہے)

علمو : جی صاحب۔

فلمی شاعر : واہ واہ، سبحان اللہ (علمو کو دیکھ کر) ــــ ایک کافی لے آؤ علم دین واہ واہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

علمو : بہت بہتر جناب۔ (کٹ)

(کاؤنٹر کے پاس علمو اور رمضو کا کراس پڑتا ہے)

علمو : رمضو میاں وہاں چار نمبر پر ایک کافی لے جاؤ۔

رمضو : کس کی ہے؟

علم دین : نام معلوم نہیں۔ وہ جو نجمی صاحب کے پاس تیسرے چوتھے نمبر پر بڑے بڑے بالوں والے ہیں۔ ذرا داغ ہیں چہرے پر۔

رمضو : اچھا یہ بل رکھ لو۔ ان کا ہے۔ پریمی جوڑے کا۔ میں چار نمبر پر کافی

لے جاتا ہوں ۔(کٹ)

(پریمی جوڑا)

لڑکا اور لڑکی سر جھکائے نہایت سنجیدگی سے اور ماحول سے بظاہر بے خبر ہو کر آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔

لڑکی : میں تو کبھی کبھی سوچتی ہوں جمشید کہ شاید میں دنیا میں ایک واحد بے وقوف لڑکی ہوں اور باقی پوری دنیا عقلمندوں کی ہے۔

لڑکا : (ہنستا ہے) جب سمجھانے والے بہت ہو جائیں تو آدمی خود کو بیوقوف سمجھنے لگ جاتا ہے لیکن اصل بات یہ نہیں کہ کوئی دوسروں کو یا خود کو کیا سمجھنے لگتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کیا ہیں دوسرے کیا ہیں؛

(معاً انشورنس ایجنٹ آتا ہے)

انشورنس ایجنٹ : ہیلو بوائز اینڈ گرلز ٹو گیدر۔

لڑکا : ہیلو انکل۔

انشورنس ایجنٹ : اِف یو ڈونٹ مائنڈ؟

لڑکا : (ازراہِ مذاق) آئی سرٹنلی مائنڈ انکل۔ کیونکہ ہم اس وقت ایک پرائیویٹ بات...

انشورنس ایجنٹ (کاٹ کر) کافی ہاؤس میں کوئی پرائیویٹ بات نہیں ہو سکتی ینگ پیپل کیونکہ یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ ایک گھر ایک فیملی کے ممبر ہیں سب۔

لڑکا : لیکن ہم تو......

انشورنس ایجنٹ : (کاٹ کر) محبت کر رہے ہو۔ یہی نا؟ یہ کوئی پرائیویٹ بات نہیں ہے۔ میں نے بھی کی تھی۔ تمہارے اباّ نے بھی کی ہو گی۔

(لڑکی سے)

ایم آئی رانگ؟ شرما گئیں؟

لڑکی : یو آر ہنڈرڈ پرسنٹ.....

لڑکا : (لقمہ دیتا ہے) رانگ۔

انشورنس ایجنٹ : رائٹ آر رانگ۔ محبت سبھی کرتے ہیں اور یوں ختم ہو جاتی ہے۔
اس کو زندہ و جاوید رکھنے کا صرف ایک طریقہ ہے۔
لڑکا : وہ کیا انکل ؟
انشورنس ایجنٹ (بیگ کھول کر کاغذ نکالتے ہوئے) محبت کا بیمہ کرا لو۔
(تینوں ہنستے ہیں)
(معاً نجمی صاحب کی میز پر اس قدر داد بلند ہوتی ہے اور واہ واہ۔
سبحان اللہ کی آوازیں اتنی اچانک اور زور سے آتی ہیں کہ لڑکا لڑکی، انشورنس
ایجنٹ سمیت تمام کافی ہاؤس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں)
انشورنس ایجنٹ : نجمی صاحب نے کوئی آسمان ہلا دینے والا شعر سنا دیا ہے۔
(کٹ)
(نجمی صاحب کی میز پر بے انتہا داد مل رہی ہے)
آوازیں : بھئی واہ واہ، واہ واہ واہ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ، سبحان اللہ،
سبحان اللہ، کیا شعر کہہ دیا ہے۔
(چائے کا آرڈر نوجوان علمو لے جاتا ہے لیکن چائے کی ٹرے بوڑھا رمضو
لاتا ہے۔ اور کھڑے کھڑے سب کا جائزہ لیتا ہے۔ اور پھر فلمی شاعر سے پوچھتا ہے)
رمضو : چائے آپ نے منگوائی تھی شعلہ صاحب ؟
فلمی شاعر : واہ واہ، سبحان اللہ۔ چائے یقیناً میں نے منگوائی تھی۔ لیکن اس
وقت تو آپ جوان تھے رمضان میاں۔
(سب قہقہہ لگاتے ہیں۔ (کٹ)
(کاؤنٹر)
(علمو کیشیر کے پاس آتا ہے اور بل کاٹنے کے لیے رکھتا ہے)
علمو : دو چائے۔ ایک کافی ایک سینڈویچ۔
کیشیر : آج تو ہم بزنس کر رہے ہیں علم دین۔

علم دین: سر بزنس ہو نہ ہو - میرا دل لگتا جا رہا ہے یہاں -
کیشیر: دیکھ بخمی صاحب کے پاس کسٹمر آگیا ہے -
(بخمی صاحب کی میز پر تاجر کا انسرٹ) (کٹ)
بخمی صاحب کی میز -
(بخمی صاحب کی میز پر تاجر بیٹھتا ہے - نہایت جھک کر ادب سے سلام کرتا ہے)
تاجر: مخل تو نہیں ہوا ہوں سر؟
بخمی: تشریف رکھیے - یہ کوئی پرائیویٹ محفل نہیں - ایک چوپال ہے یہ -
تاجر: ہم ٹھہرے بزنس مین - وقت ملتا نہیں کبھی کبھی آپ لوگوں کی محبت اِس طرف کھینچ لاتی ہے اور ابھی ادیبوں، شاعروں کی محفل کے آداب سے پوری طرح واقف نہیں ہوں -
بخمی: یہ کوئی پرابلم نہیں ہے ایک بزنس مین کے لیے ادیبوں کی محفل میں ایڈجسٹ ہونا کوئی مشکل نہیں لیکن ایک ادیب شاعر کا بزنس مینوں کی محفل میں کھپنا بہت مشکل ہے -
(تاجر بیرے کو اشارہ کرتا ہے)
تاجر: خوب - بجا - بجا -
علمو: جی صاحب
تاجر: کیا شوق فرمائیں گے - چائے یا کافی؟
بخمی: کچھ نہیں -
تاجر: کچھ تو لیجیے -
بخمی: کچھ نہیں - یو گو اہیڈ
تاجر: (دوسرے سے) آپ؟
دوسرا: چائے -

تاجر: آپ؟
تیسرا: کافی۔
تاجر: آپ؟
چوتھا: چائے۔
تاجر: آپ؟
ایک آدمی: (دوسرے سے سرگوشی میں) اسے کاٹو یار
کاٹو یار: کافی اور سینڈوچ بھی۔
تاجر: (انقلابی سے) آپ؟
انقلابی: لیمن ٹی۔
آوازیں: کافی، چائے، چائے، چائے، چائے۔ کافی (کٹ)

(گیسٹ کے پاس)

(تین چار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کافی ہاؤس میں داخل ہوتی ہیں۔ ایک آدھ لڑکی نے برقعہ بھی اوڑھ رکھا ہے اور نقاب سے اس نے دہانہ چھپایا ہوا ہے لیکن بار بار نقاب گرتی ہے اور چہرہ نمودار ہوتا ہے)۔

نو وارد لڑکی: (آہستہ سے) بیٹھے ہیں۔
دوسری لڑکی: مجھے تو ڈر لگتا ہے۔
نو وارد لڑکا: تو پھر آئی کیوں تھیں؟
دوسرا لڑکا: آؤ چلتے ہیں۔
دوسری لڑکی: یہ بھی تم لے جاؤ۔
(کھسر پھسر کر رہے ہیں اور کہنیاں مار رہے ہیں۔ جھجکتے ہیں۔ (کٹ)

(نجمی صاحب کی میز)

(محفل عروج پر ہے تاجر سمیت سب لوگ بیٹھے ہیں نجمی صاحب گفتگو کر رہے ہیں اور باقی سب لوگ خاموشی سے سن رہے ہیں۔ پس منظر میں۔ اکیلی

میز پر پرسی آئی ڈی واے کا ایک شارٹ ہے جو نہایت انہماک کے ساتھ اخبار دیکھ رہا ہے لیکن کان کھڑے ہیں)

بجمی : لوگ اپنے لفظوں سے نہیں اپنے رویوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ لفظ ایک اعلان ہے۔ رویہ اس اعلان کی تصدیق یا تردید ہے۔ قدیم چین کی ایک کہاوت ہے کہ (ادھر اُدھر دیکھ کر) ہاں بی بی کیا بات ہے؟

(نووارد لڑکے اور لڑکیاں بجمی کے پاس کھڑے ہو کر کھسر پھسر کرتے ہیں۔ آٹو گراف بک دے کر)

نووارد لڑکی : سر! آٹو گراف!

بجمی : لائیں، لائیں۔ کیا پڑھتی ہیں آپ؟

نووارد لڑکی : میڈیکل میں ہوں سر!

بجمی : اچھا۔ اچھا۔ (لکھتے ہوئے) اگر سائنس دان ایٹم بم نہ بناتے تو کینسر کا علاج دریافت ہو چکا ہوتا۔ ڈاکٹر بن کر ہمارا علاج کریں گی کیا!

لڑکی : کیوں نہیں سر۔

دوسری لڑکی : اسے تو شاعری کا شوق ہے سر۔

بجمی : ارے ارے۔ شاعر کے لیے ڈاکٹر اور ڈاکٹر کے لیے شاعر ہونا بہت خطرناک بات ہے۔ بیچارے مریض سفر کرتے ہیں۔

(لڑکے لڑکیاں ہنستے ہیں۔ بجمی جلدی سے باقی دونوں لڑکیوں کو بھی آٹو گراف دیتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں جاتے ہیں تو تاجر متاثر ہو کر کہتا ہے۔

تاجر : ویری لکی۔ (کٹ)

(بجمی کی بیوی کے سوئے سوئے چہرے کے کلوز اپ پر مکالمہ سپر امپوز ہوتا ہے)

سین نمبر ۵ : گھر یا صحن

(بجمی کی بیوی کرسی پر ٹیک لگائے میٹھی میٹھی نیند سو رہی ہے۔ کوئی ڈیے

قدموں اس کی قریب سے گذر رہا ہے۔ ہم صرف پاؤں دکھاتے ہیں اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی چور گھس آیا ہو۔ گھسنے والا دھیرے دھیرے بخمی کی بیوی کے پاس پہنچتا ہے اور اس کے قریب پہنچ کر ایک لمحہ رکتا ہے جیسے کوئی اقدام کرنے والا ہو۔ پھر دبے پاؤں آگے بڑھ جاتا ہے اور کسی چیز پر رکھے ہوئے ڈھکن کو اٹھاتا ہے۔ معاً ڈھکن اس کے ہاتھ سے گر جاتا ہے، ایک زور کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ چھناکا سن کر بخمی کی بیوی گھبرا کر اٹھتی ہے کسی کو دیکھ کر اس کا منہ چیخ کے لیے کھلتا ہے لیکن کوئی اسے اپنے بازوؤں میں پناہ دیتا ہے۔ بخمی مسکراتا ہے۔

بیوی : تو یہ آپ ہیں ۔۔۔ ؟ یہ چوروں کی طرح گھر میں گھسنے کی کیا بات ہے ؟

بخمی : تاکہ تم جاگ نہ جاؤ۔ بہت میٹھی نیند میں تھیں۔

بیوی : ذرا آنکھ لگ گئی تھی لیکن آپ اندر کیسے آئے ؟

بخمی : دروازے سے۔

بیوی : دروازہ تو بند تھا۔

بخمی : مجھے کھل جا سم سم بھی تو آتا ہے ناں !

(بخمی گھوم کر ایک سوتے ہوئے بچے کو پیار کرتا ہے)

بیوی : کھانا نکالوں ؟

بخمی : (ہاتھ چھو کر محبت سے) پہلے ذرا پانی پلا دو۔

(جاتے جاتے لوٹ کر ڈاک دیتی ہے)

بخمی : (ڈاک دیکھتے ہوئے) میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے۔ جواب میں۔ کوئی خاص خط ہے ؟

بیوی : خاص خط سے اگر آپ کی مراد چیک ہے تو وہ نہیں ہے۔ ایڈیٹروں اور پرستاروں کے خط لگتے ہیں۔

(بیوی پانی لینے جاتی ہے تو بخمی خطوں کو سرسری سی نگاہ باہر سے ڈال کر رکھ دیتا ہے۔ بیوی پانی لے کر لوٹ آتی ہے)

نجمی : پتہ نہیں، کیا بات ہے ریڈیو سے چیک آنا چاہیے تھا ہو سکتا ہے کوئی
خورفے کر آ جائے۔ کوئی آیا تو نہیں تھا آج۔

بیوی : آیا تھا۔ مالک مکان۔

نجمی : کیا کہہ رہا تھا؟

بیوی : بچوں کے لیے ٹافیاں اور کھلونے دے گیا ہے کہہ رہا تھا آپ کی نئی غزل
بہت پسند آئی۔

نجمی : طنز کرتی ہو۔

بیوی : تو پھر کیوں پوچھتے ہیں آپ؟ جب مالک مکان کرایہ دار کے گھر کے چکر
کاٹتا ہے تو کیا کہتا ہے؟

نجمی : تمہارے لہجے سے بیزاری بلکہ ہلکی ہلکی نفرت جھلکنے لگی ہے۔

بیوی : آپ سے نفرت۔ جس سے پوری دنیا محبت کرتی ہے جس کے ہزاروں
چاہنے والے ہیں اور درجنوں کے حساب سے جسے روزانہ پرستاروں کے
خط ملتے ہوں اس سے بیوی نفرت کر سکتی ہے بھلا؟

نجمی : کر سکتی ہے۔ سوچتا ہوں میں نے تمہارے لیے ایک اچھا سا گھر بنایا ہوتا۔
جہاں بچے کھل کر سانس لے سکتے۔ کھلی فضا تازہ ہوا پھول سبزہ کیاریاں

بیوی : (کاٹ کر) میں محلوں کے خواب نہیں دیکھتی۔ میں روکھی سوکھی کھا کر اپنی
جھونپڑی میں خوش رہنا چاہتی ہوں لیکن اتنا تو ہو اس کا کرایہ ہم ہر ماہ
ادا کر سکیں۔ مجھے دن بھر بیس آدمیوں کی بیس طرح کی باتیں سننا پڑتی
ہیں اور آپ ہیں کہ نہایت اطمینان سے دن کافی ہاؤس میں گذار کر رات
گئے گھر آ جاتے ہیں۔

نجمی : پلیز ثریا۔ ایسی بے رخی سے پیش نہ آؤ۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسئلے ہماری
خوشیوں میں حائل نہیں ہو سکتے۔ میں کل ہی مالکِ مکان کے پاس جا رہا
ہوں۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ (کٹ)

سین نمبر ۶ : مالکِ مکان کا گھر

(مالکِ مکان اور نجمی ۔ ایک آدھ شارٹ محمد خاں کا بھی آتا ہے)

مالکِ مکان : نہیں نجمی صاحب ۔ چھ مہینے کے بعد آپ پچاس روپے لاکے دے رہے ہیں ۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ رقم توڑ کر لینا میرا اصول ہی نہیں ہے ۔ مجھے آپ چھ مہینے کا کرایہ دیجئے یکمشت ۔

نجمی : یکمشت تو میرے پاس نہیں ہیں اس وقت ۔

مالکِ مکان : تو پھر آپ ہی بتایئے کہ کیا کیا جائے ۔ میں نے کبھی سختی سے تقاضا نہیں کیا، کوئی گستاخی نہیں کی ۔ مجھے معلوم ہے آپ شریف آدمی ہیں ۔ ہاتھ تنگ ہے ۔ نہیں ہوتا ہے کبھی پیسہ آدمی کے پاس لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے ۔ اور اس حد سے ہم آگے چلے گئے ہیں ۔

نجمی : چند روز اور ٹھہر جاؤ ۔

مالکِ مکان : چند روز میں کیا ہو جائے گا نجمی صاحب ۔ بات تو وہیں کی وہیں رہے گی اور پچاس روپے آپ لا کر دے دیں گے اور کیا کریں گے ۔

نجمی : ایسی بات نہیں ہے ۔ کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور ہو جائے گا ۔

مالکِ مکان : کب ہو گا بندوبست اور کیسے ہو گا ۔ میں نہیں سمجھ سکتا ۔ ویسے ایک بات بتایئے ۔ آپ کوئی کام کیوں نہیں کرتے ؟

نجمی : (حیرانگی سے) کام ؟؟؟

مالکِ مکان : مطلب ہے آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں سمجھدار ہیں ۔ لوگ باگ آپ کی عزت بھی کرتے ہیں ۔ کام مل سکتا ہے آپ کو آپ دلچسپی لیں تو میں آپ کو نوکری دلانے میں مدد کر سکتا ہوں ۔

نجمی : آپ ؟

مالکِ مکان : میونسپلٹی میں میری تھوڑی بہت جان پہچان ہے بولیں تو چنگی وغیرہ میں کہیں لگوا دوں ۔ تنخواہ تو دو ڈھائی سو ہو گی لیکن اوپر کی آمدنی کافی ہو گی

نجمی : (برہم ہو کر کہتا ہے) سیٹھ صاحب اپنے کام سے کام رکھیں آپ اور جتنی آپ کی ڈکشنری ہے اس کے اندر ہی رہیں۔

مالکِ مکان : ارے واہ آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے ایسی کیا بات کہہ دی میں نے؟

نجمی : آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں آپ کو ابھی تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ میں کون ہوں۔

مالک مکان : ارے آپ وہ ہیں جو چھ ماہ سے میرا کرایہ ادا نہیں کر سکے۔

نجمی : زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو کرایہ مل جائے گا۔

مالکِ مکان : (سختی سے) کب مل جائے گا۔ مجھے ایک دن بتایئے۔

نجمی : بیس تاریخ کو آپ آکر کرایہ لے جایئے گا۔

مالکِ مکان : میرے پاس چکر کاٹنے کا ٹائم نہیں ہے بیس کو آپ کرایہ یہاں پہنچا دیجے اور اگر بیس کو پیسے نہ آئے تو اکیس کو یہ میرا آدمی آئے گا اسے آپ اچھی طرح دیکھ لیں۔

محمد خاں کا انسرٹ (کٹ)

سین نمبر ۷ - رسالے کا دفتر

ایڈیٹر : نجمی صاحب یقین کیجئے گاڑی میں پٹرول بھی ادھار ڈلوا رہا ہوں میں تو کہتا ہوں آدمی بھاڑ جھونک لے ادبی رسالہ نہ نکالے۔ اگر ادبی رسالے معاوضہ ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوتے تو پھر کیا چاہیئے تھا۔

نجمی : لیکن اصولی طور پر لکھنے والے کو معاوضہ ملنا چاہیئے یا نہیں؟

ایڈیٹر : کیوں نہیں ملنا چاہیئے۔ ہر ادیب کو اس کی تخلیق کا معاوضہ ملنا چاہیئے لیکن کہاں سے دیں ادبی رسالے بکتے کتنے ہیں؟ اشتہار کتنے ہوتے ہیں بہر حال اپنے محدود وسائل کے باوجود یہ بیس روپے غزل کے آپ کی نذر ہیں پلیز

قبول کر لیجیے۔

(کٹ)

سین نمبر ۸ ۔ کافی ہاؤس

کافی ہاؤس عروج پر ہے۔ ہر میز پر ایک چوکڑی ہے۔ سب لوگ دوسری میز کے ماحول سے بے خبر اپنی اپنی گفتگو میں مصروف ہیں کافی ہاؤس کا ایک طائرانہ جائزہ L/S میں لیا جاتا ہے۔ کیمرہ پین کر کے گیسٹ کی طرف جاتا ہے۔ جہاں سے بجی کو اندر داخل ہوتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ بجی خلافِ معمول آج بجھا ہوا ہے اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح رہنے والی متانت نہیں ہے وہ ایک ایک میز کے قریب سے گھومتا ہوا گذرتا ہے اور لوگ اسے زبردست عزت دیتے ہیں

پہلی میز

پہلا آدمی : دلیل دے کر واضح کیجیے۔

دوسرا آدمی : دلیل کیا چیز ہے دلیل کے ذریعے میں ثابت کر دوں گا کہ یہ میز نہیں کرسی ہے لیکن پھر بھی یہ میز ہی رہے گی (بجی کو دیکھ کر) آداب۔

(کٹ)

دوسری میز

پہلا آدمی : زندگی کوئی پکنک نہیں ہے کہ آدمی ہلا گلا کر کے چلا جائے۔ زندگی ایک مقصد ہے ایک مقصد کی تکمیل ہے جس کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں (بجی کو دیکھ کر) اسلام علیکم حضور (کٹ)

تیسری میز

غنڈہ : وہ پانچ تھے اور میں اکیلا تھا۔ میں نے کہا ماں کا دودھ پیا ہے تو پانچوں اکٹھے آجاؤ (بجی کو دیکھ کر) استادِ گرامی، نوکر تابعدار (کٹ)

چوتھی میز

لڑکا : تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا (اٹھتا ہے) آداب۔

لڑکی : (نجمی کو دیکھ کر) آداب۔ (کٹ)

پانچویں میز

(انقلابی کی میز پر کافی لوگ بیٹھے ہیں لیکن نجمی ایک میز پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں)

انقلابی : انقلاب کوئی لائسنس یا پرمٹ نہیں جس کے لیے آپ درخواست دیں کہ جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر والی قدر! مودبانہ گذارش ہے کہ فدوی ایک عدد انقلاب لانا چاہتا ہے جس کے لیے آنجناب کی جانب سے اجازت نامہ کا طلبگار ہوں (نجمی کو دیکھ کر) آداب۔ آج نجمی الگ کیوں بیٹھے ہیں؟

صحافی : کوئی بات ہے ضرور۔

آرٹسٹ اٹھ کر نجمی کے پاس چلا جاتا ہے۔ (کٹ)

نجمی کی میز

آرٹسٹ : ظلم منظور مگر اذنِ تکلم دے دو ! آدمی کچھ بھی سہی نقش بر دیوار نہیں
کیا بات ہے نجمی صاحب آج۔ آپ فورم میں نہیں ہیں۔

نجمی : تم نے خود ہی مصرع پڑھا ہے ؎
آدمی کچھ بھی سہی نقش بر دیوار نہیں۔

(انشورنس ایجنٹ آتا ہے)

ایجنٹ : آج آپ بہت مضمحل ہیں۔

نجمی : آدمی اندر سے مضمحل ہی ہوتا ہے برادر میاں لیکن کوشش کرتا ہے کہ اضمحلال کی کیفیت چہرے پر نہ آنے پائے اور کیفیت کو چھپانے کے لیے جبری کوشش میں مصروف رہتا ہے اور کبھی اس کوشش میں کامیاب ہوتا ہے اور کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

انشورنس ایجنٹ : اِسی لیے تو کہتا ہوں کہ بیمہ کرالو۔

نجمی : کس چیز کا؟
ایجنٹ : مسکراہٹوں کا تاکہ آدمی ہمیشہ خوش باش ہنستا کھیلتا دکھائی دے۔
نجمی : تو پھر مسکراہٹوں کی صورت میں ادا کرنے کے لیے پریمیم کی قسطیں کہاں سے آئیں گی داؤد؟
آرٹسٹ : ارے چھوڑیں اس قصے کو۔ یہ داؤد میاں تو سونے جاگنے تک کا بیمہ کرا دیتے ہیں۔ نئی غزل سنائیں معلوم ہوا ہے کہ نئی غزل کہی ہے آپ نے۔ بڑا چرچا ہے شہر میں۔
نجمی : پانچ شعر ہوئے ہیں کل۔ سنا دیتا ہوں۔
آرٹسٹ : ارشاد۔
انقلابی بھی اٹھ کر پاس آجاتا ہے اور بھی لوگ اٹھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔
نجمی : مطلع ہے۔
آرٹسٹ : ارشاد۔ (فیڈ آؤٹ)
(فیڈ آن)

سین نمبر ۹ - کافی ہاؤس

فیڈ آن کرکے جب اسی میز پر آتے ہیں تو نجمی غزل سنا چکا ہے۔ آخری شعر باقی ہے۔ لوگ داد دے رہے ہیں۔ اور اب اس کے مقابلے میں بہت زیادہ لوگ بیٹھے ہیں جتنے غزل شروع کرتے پر تھے۔ ان میں تمام مستقل کرداروں کے علاوہ تاجر بھی ہیں۔
داد دینے والے : واہ واہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ کیا خوب کہا ہے۔ ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔ واہ واہ
نجمی : آخری شعر ہے۔
"آخری شعر" کہتے ہی نجمی خاموش ہو جاتا ہے کوئی ہاتھ اس کے

کندھے کو اوپر سے دباتا ہے۔ بخمی پلٹ کر دیکھتا ہے تو محمد خاں کھڑا ہے۔
محمد خاں: ذرا اس طرف آئیں۔ الگ۔
(بخمی اٹھ کر محمد خاں کے ساتھ الگ جاتا ہے اور میز سے کچھ فاصلے پر
جاکر دونوں رکتے ہیں)
محمد خان: کل بیس تھی۔ آج اکیس تاریخ ہو گئی ہے۔
بخمی: مجھے افسوس ہے وعدے کے مطابق میں نہیں آسکا۔
محمد خان: افسوس سے کام نہیں چلے گا۔ پیسہ نکالو۔ صاحب نے بول دیا تھا کہ
بیس کو تم آؤ گے اکیس کو میں آؤں گا۔ بیس کو تم نہیں آئے اکیس کو
میں آگیا ہوں۔ پیسہ۔
بخمی: میں انتظام میں لگا ہوا ہوں اور دو دن کی مہلت دے دو۔
محمد خان: دو منٹ کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ پیسہ آج ہی لے کر جاؤں گا
ابھی اسی وقت (وہ دھاڑتا ہے)
بخمی: ہش ش ش۔ آہستہ بولو۔
(محمد خاں کی دھاڑ پر سب کافی ہاؤس کے کان کھڑے ہو جاتے
ہیں۔ دوست اٹھتے ہیں)
محمد خان: دگرج کر) آہستہ کیا بولوں، کوئی چوری کی ہے؟ اپنا پیسہ مانگ رہا
ہوں۔ دیتے ہو پیسہ کہ نہیں؟
بخمی: اس وقت تو میرے پاس نہیں ہے۔
محمد خان: پیسہ نہیں ہے تو پھر میں تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔
بخمی: بدتمیزی نہیں کرو۔ میں رقم ادا کر دوں گا۔
محمد خان: میں کوئی بات نہیں جانتا ہوں۔ میں ابھی۔۔۔۔۔۔
(محمد خان ہاتھ بڑھاتا ہے کہ معاً بازوؤں کا ایک شکنجہ پیچھے سے محمد خان
کی گردن میں پڑتا ہے اور کوئی اسے آرم لاک لگا لیتا ہے محمد خاں کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ کیمرہ پیچھے جاتا ہے۔ غنڈہ نے محمد خاں کو جکڑ رکھا ہے)

غنڈہ : استادِ گرامی۔ نوکر ہوں آپ کا۔ بولیں تو دبا کر، ابھی اس کی جڑیا دبا کر باہر نکال دوں اور بولیں تو اٹھا کر نیچے پھینک دوں اِسے یہاں آنے کا حوصلہ کیسے ہوا؟

بجمی : نہیں مجو۔ اِس کا رویہ کتنا ہی توہین آمیز سہی ہم بہر حال مقروض ہیں۔ اور تقاضا کرنے کا اسے حق ہے چھوڑ دو اسے۔

غنڈہ : اِس وقت یہ میرے قبضے میں ہے استادِ محترم مَیں دبا کر اسے مار سکتا ہوں

بجمی : نہیں مجو۔ چھوڑ دو۔

غنڈہ : جا دفان ہو جا۔ دوسری دفعہ اِس کافی ہاؤس میں قدم رکھا تو کھڑکی سے نیچے گرا دوں گا۔ سمجھے جاؤ یہاں سے۔

محمد خان : جا رہا ہوں۔ لیکن بتا دوں۔ چھ مہینے کا کرایہ ہے یہ کہا کر یہ اِس مکان میں نہیں رہ سکتا۔

غنڈہ : اوہ، میں کہتا ہوں دفعہ ہو جا یہاں سے پھر بک بک کر رہا ہے۔

محمد خان : غنڈہ گردی نہیں چلے گی۔ میرے سیٹھ نے قانونی بندوبست بھی کر رکھا ہے کل تک کرایہ نہ آیا تو سارا سامان اور بیوی بچے سڑک پر ہوں گے۔ (بجمی خاموش ہے غنڈہ محمد خاں کو دھکیل باہر کرتا ہے)

غنڈہ : (دھکیلتے ہوئے) او میں کہتا ہوں تو جائے گا یہاں سے یا کھائے گا کچھ۔

(محمد خان کے جانے کے بعد سب لوگ دم بخود ہیں وہ اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھ کر بجمی کے اطراف جمع ہو چکے ہیں۔ ہر آدمی کو بجمی سے بے انتہا ہمدردی پیدا ہو گئی ہے لیکن کوئی اظہار نہیں کر سکتا۔ بجمی کی عجیب کیفیت ہے اس کے پاؤں اپنی جگہ پر گڑ گئے ہیں اور جائے ماندن نہ پائے رفتن والی بات ہے۔ غنڈہ آگے بڑھتا ہے اور پاؤں کو چھوتا ہے)

غنڈہ : (پاؤں کو چھو کر) نوکر ہوں استادِ محترم۔ آپ نے پہلے بتایا نہیں۔ وہ

کافی ہاؤس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔
(بجمی خاموش رہتا ہے)

تاجر: یہ تو بات ہی کوئی نہیں تھی بجمی صاحب۔ بہت حقیر رقم کے لیے وہ اتنے بڑے آدمی کی بے عزتی کر کے گیا ہے۔ کاش آپ نے پہلے بتا دیا ہوتا (نوٹ گن کر) یہ لیجئے۔ یہ اس کم بخت کے منہ پر ماریئے اور رسید لے لیجئے۔

بجمی: (ہاتھ روکتا ہے) ن ن ن نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔

تاجر: کمال کرتے ہیں آپ یعنی ہمیں اپنی خدمت کا موقع نہیں دیتے اور خود پوری دنیا کی خدمت کرتے ہیں۔ واللہ مجھے آپ کا یہ چھوٹا سا کام کر کے بہت خوشی ہوگی۔ آپ یہ رقم رکھ لیں میں کہتا ہوں پکڑیں تو سہی۔
(بجمی نوٹوں کو دیکھتا ہے جو زبردستی اس کی مٹھی میں دے دیئے گئے ہیں پھر وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے آس پاس کھڑے دوستوں کی جانب دیکھتا ہے)

تاجر: (نوٹ کر) اچھا میں جا رہا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی آپ سے۔ ارے ہاں ——— کسی روز ہمارے گھر آئیں ناں۔ بلکہ آج ہی آئیے۔ میں نے کچھ دوستوں کو کھانے پر بلایا ہے۔ ہائی آنیشلز آ رہے ہیں۔ اچھی محفل رہے گی کھانے کے ساتھ ساتھ آپ کے کلام کا دور بھی چل جائے گا۔ اور پھر آپ کا تعارف بھی ہو جائے گا۔ یہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ بہت کام کے ہوتے ہیں یہ لوگ۔ یہ کارڈ رکھ لیجئے۔ بھولیے گا نہیں، میں انتظار کروں گا۔ خدا حافظ۔
(تاجر خدا حافظ کہہ کر بجمی کی طرف ملانے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو بجمی تاجر کی طرف دیکھے بغیر اس کی کلائی آہستہ سے پکڑ لیتا ہے اور دور دروازے پر نگاہ رکھتے ہوئے نہایت ہی دکھ بھرے لہجے میں کہتا ہے)

بجنی : (کارڈ پھاڑتا ہے) یہ اپنے نوٹ لے جائیے۔ میں کوئی مسخرہ نہیں ہوں
کہ اپنے کلام سے آپ کے یسے ہائی آفیشلز کا دل بہلاؤں۔ نہ میں فرنیچر
کی دکان میں رکھا ہوا ڈیکوریشن پیس ہوں جسے بیعانہ دے کر آپ
اپنے فنکشن کے لیے بک کروالیں (زور سے) لے جائیے یہاں سے۔

تاجر : لیکن میں نے تو آپ کا مسئلہ حل کرنا چاہا تھا۔

بجنی : میرا مسئلہ میرا مسئلہ ہے آپ کا اس سے تعلق نہیں جائیں آپ یہاں سے
(یہ کہہ کر بجنی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خود گیٹ کی طرف جاتا ہے اور
باہر نکل جاتا ہے)

(سب لوگ دم بخود ہیں۔ وہ قدرے نفرت سے تاجر کی طرف دیکھتے ہیں)
غنڈہ بھی نہایت حقارت سے تاجر کو دیکھتا ہے)

تاجر : (خوفزدہ ہو کر) م م۔ میں میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ کہیں وہ مکان
سے بے دخل نہ ہو جائیں۔
(غنڈے کی ناک غصے سے کانپنے لگتی ہے)

غنڈہ : (خشم آلودہ لہجے میں) کوئی انہیں بے دخل نہیں کر سکتا۔
(جیب میں ہاتھ ڈال کر غنڈہ دس گیارہ روپے نکالتا ہے جتنی بھی
رقم ہے مٹھاہ کر کے تاش کے پتوں کی طرح میز پر پھینکتا ہے۔ دوسرا آدمی دس
کا نوٹ پھینکتا ہے۔ تیسرا آدمی بھی پھینکتا ہے چوتھا بھی پھینکتا ہے۔ ایک ایک
کر کے سب لوگ اپنی حیثیت کے مطابق نوٹ میز پر پھینکتے ہیں۔ یہاں
تک کہ سی آئی ڈی والا اپنی میز سے اٹھتا ہے اور نوٹوں کے بیچ میں سے ایک
نوٹ نکال کر نوٹوں میں شامل کرتا ہے۔
(نوٹ ایک دوسرے پر اوور لیپ ہوتے ہیں)

❤❤

.... آشوبِ غم کا حوصلہ

انشورنس ایجنٹ	ـــــــــ	محمود علی
ثمینہ	ـــــــــ	عصمت پروین
انجم	ـــــــــ	شاہد شاہ
مددگار	ـــــــــ	اے آر بلوچ
صابر علی	ـــــــــ	افضال سید

اور کافی ہاؤس کے مستقل کردار

گر نہ تھا دِل کو ترے آشوبِ غم کا حوصلہ
کس لیے پھر کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

غالبؔ

سین نمبر ۱ : صبح کا وقت

(انشورنس ایجنٹ ایک نوجوان لڑکی کے بازو میں بازو ڈال کر دھیرے دھیرے پیار و محبت سے باتیں کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ وہ چند قدم چل کر آتے ہیں ایک جگہ آرٹسٹ ایزل پر کینوس رکھے تصویر بناتا دکھائی دیتا ہے۔ انشورنس ایجنٹ آرٹسٹ کے پاس آتا ہے اور عقب سے مصرع پڑھتا ہے)

ایجنٹ: کیا تری نظروں سے دیکھا ہے تیری تصویر نے ؟

آرٹسٹ: ہیلو۔ ہیلو انکل !

ایجنٹ: ہیلو آرٹسٹ دی گریٹ ، کیا ہو رہا ہے۔

آرٹسٹ: (شرارتاً اشارہ کر کے) میں تو تصویر بنا رہا ہوں تم سناؤ کیا ہو رہا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا۔ کیوں نہ دیکھے میری نظروں سے تصویر، تعارف تو کرا دو کم از کم۔ ظالم انکل۔

ایجنٹ: ہاں ہاں کیوں نہیں (لڑکی سے) بھئی ادھر ملو۔ بڑا ہونہار آرٹسٹ اور ہمارا دوست ہے ثاقب اور یہ ثمینہ ہے۔

آرٹسٹ: ثمینہ۔

ایجنٹ: ثمینہ میری بیٹی۔

(بیٹی کا لفظ سن کر ثاقب یکلخت ساکت ہو جاتا ہے جیسے پتھر ہو)

ثمینہ : (کھلکھلا کر) ہی ہی ہی ہی۔ یہ کیا ہو گیا ہے اسے۔

ایجنٹ : (بازو پکڑ کر آگے لے جاتا ہے) شش شش شش۔ اسے اب مت چھیڑو۔ یہ آرٹ کی دنیا میں کھو چکا ہے۔

(دونوں آگے بڑھ جاتے ہیں) (کٹ)

سین نمبر ۱ (لب سڑک)

ایجنٹ : اچھا اب تم اپنے کام کو جاؤ اور ہم اپنی منزل کو جاتے ہیں۔

(ثمینہ تڑپ کر پکارتی ہے اور بازو پکڑ لیتی ہے)

ثمینہ : ڈیڈی ی ی ! پلیز آپ دیکھ کر سڑک پار کیا کریں۔ (کٹ)

کھیل کا ٹائیٹل۔

سین نمبر ۲ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس میں بہت کم لوگ ہیں۔ انشورنس ایجنٹ تنہا ایک کونے والی میز پر بیٹھا چائے پی رہا ہے کہ آرٹسٹ اس کے پاس آن بیٹھتا ہے اور ہنستے ہنستے کہتا ہے)

آرٹسٹ : (ہنستے ہنستے) یار انکل۔ آئی ایم سوری۔

ایجنٹ : سوری اباؤٹ وٹ۔

آرٹسٹ : اباؤٹ دیس مارننگ انسی ڈنٹ۔ یار مجھے پتہ نہیں تھا تمہاری بیٹی ہے آئی ایم ریلی سوا یشمنڈ۔

ایجنٹ : (ہنستا ہے) ہا ہا ہا۔ ٹیک اٹ ایزی بوائے۔ تم نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس پر شرمندہ ہو رہے ہو۔ تم اپنے حساب میں تھے۔ میں اپنے حساب میں تھا۔ عورت یا تو بیٹی ہوتی ہے یا بیوی ہوتی ہے یا محبوبہ ہوتی ہے یا ماں ہے یا بہن ہے۔ یہی چند ایک رشتے ہیں عورت کے۔

آرٹسٹ : یار تم نے بتایا بھی نہیں کہ بیٹی ہے۔

ایجنٹ : اور تم نے پوچھا کب؟

(بجمی داخل ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آرٹسٹ اور ایجنٹ کی میز سے ٹکرا

جاتا ہے جیسے اسے دکھائی نہ دے رہا ہو)

آرٹسٹ : کیا بات ہے بجمی۔

ایجنٹ : (پکڑ کر بٹھاتے ہوئے) بجمی صاحب!

بجمی : کچھ اندھیرا سا آگیا ہے آنکھوں کے آگے۔

آرٹسٹ : ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔

بجمی : نہیں ٹھیک ہوں۔ ایسے ہی ذرا چکر آگیا تھا۔

ایجنٹ : (خوش مزاجی سے) لو پانی پیو۔ اور اسی لیے کہتا ہوں کہ ان چکروں کا۔۔

بجمی : بیمہ کرا لوں؟

(تینوں ہنستے ہیں)

رمضو : انکل؟

ایجنٹ : یار رمضو، تم تو انکل مت کہو۔ ہم عمر ہیں دونوں برابر ہیں۔ برادر کہو تم۔

رمضو : (مذاق سے) اچھا بلادر۔ ٹیلیفون ہے آپ کا۔

(رمضو ہنستا ہے انکل بھی ہنستے ہوئے کاؤنٹر کی طرف جاتا ہے)

ایجنٹ : ہیلو! جی میں بول رہا ہوں۔

دوسرا آدمی : (ٹیلیفون پر) سنیئے۔ بڑی مشکل سے ہم نے آپ کو یہاں ٹریس کیا ہے۔ آپ کی لڑکی شدید حادثے کا شکار ہو گئی ہے آپ فوراً ہسپتال پہنچیں۔ ایمرجنسی میں۔

ایجنٹ : اچھ چھ — اچھا۔

(انکل نڈھال ہو جاتا ہے۔ ریسیور ہاتھ سے گر جاتا ہے)

کیشیئر : انک ک ک کل۔ کیا بات ہے انکل؟

(ایجنٹ نفی میں سر ہلاتا ہے اور نہایت ہی مخبوط الحواس حالت میں کاؤنٹر سے

باہر نکلتا ہے۔ کسی اور کو کافی ہاؤس میں اس بات کا پتہ نہیں چلتا۔ کیشیر عجیب نظروں سے ایجنٹ کو دیکھتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۳ : لب سڑک۔

(ایجنٹ بدحواسی کے عالم میں فٹ پاتھ پر چل رہا تھا اور ایک رکشہ کو آواز دیتا ہے

ایجنٹ : رکشہ رکشہ !

(رکشہ نہیں رکتا۔ ایجنٹ بدحواسی کے عالم میں ذرا اور آگے جاتا ہے تو ٹکراتے ٹکراتے بچتا ہے اچانک لڑکی کی آواز ایجنٹ کے ذہن میں ابھرتی ہے)

ثمینہ : ڈیڈی پی پی پلیز آپ دیکھ کر سڑک کراس کیا کریں (ایجنٹ چونک جاتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۴ : فلیش بیک میں ایجنٹ کا گھر۔

(ایجنٹ بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے اور اندر ثمینہ کے کھانسنے کی آواز آرہی ہے۔ یہ آواز ایجنٹ کے چہرے پر ہلکی ہلکی چوٹیں لگا رہی ہے اس نے برائے نام ہی اخبار سامنے رکھا ہوا ہے۔ درحقیقت اس کا سارا دھیان ثمینہ کے کھانسنے کی طرف ہے۔ معاً کھانسی بند ہو جاتی ہے اور ثمینہ جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے میں آتی ہے۔ ثمینہ باپ کے سامنے بہت تروتازہ ہو کر آنے کی کوشش کرتی ہے)

ثمینہ : جا رہی ہوں ڈیڈی !

ایجنٹ : کیسی طبیعت ہے بیٹے ؟

ثمینہ : اچھی ہوں ڈیڈی۔

ایجنٹ : اچھی تو نہیں لگ رہی ہو بیٹے۔ حال تو دیکھو اپنا ؟

ثمینہ : کیا ہے میرے حال کو، پتہ نہیں آپ کیوں میرا اتنا فکر کرتے ہیں۔

ایجنٹ : میرا اور کون ہے بیٹے جس کا فکر کروں میں۔

ثمینہ : فکر کر کے آپ نے اپنی صحت خراب کر لی ہے۔

ایجنٹ : نوکری چھوڑ دو بیٹے۔ اتنا کام تو میں کر ہی لیتا ہوں کہ گھر چل سکے۔

ثمینہ : ڈیڈی یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ۔ میں جوانی میں نوکری چھوڑ دوں اور آپ بڑھاپے میں کام کرتے رہیں ۔

ایجنٹ : (ذرا دیر میں آتا ہے) کیا کیا ۔ کیا کہا ۔ بڑھاپے میں ۔ دیکھو دیکھو ثمینہ اپنے الفاظ واپس لو ۔ میں ہر چیز برداشت کرسکتا ہوں لیکن کوئی مجھے بوڑھا نہیں کہہ سکتا ہاں ۔ ذرا دوڑ لگا کر دیکھو میرے ساتھ ۔ فو، فو، فو ۔ خبردار جو بوڑھا کہا تو فو، فو، فو ۔

(ایجنٹ اپنی جگہ پر اچھل اچھل کر دوڑتا ہے اور ثمینہ ہنستی ہے ۔ (کٹ)

سین نمبر ۵ : لب سڑک ۔

(ایجنٹ ایک راہ گیر سے ٹکراتا ہے ۔)

راہ گیر : او دیکھ کر چل بابا ۔ نظر نہیں آتا ہے کیا ؟

(راہ گیر ایجنٹ کو آگے دھکیل کر آگے بڑھ جاتا ہے اور ایجنٹ پکارنے لگتا ہے)

ایجنٹ : رکشہ رکشہ ۔ (کٹ)

سین نمبر ۶ : فلیش بیک میں کلینک

لیڈی ڈاکٹر : رپورٹ میں نے دیکھی ہے انکل ۔

ایجنٹ : کیا کہتی ہے رپورٹ ڈاکٹر ؟

لیڈی ڈاکٹر : (وقفے سے) ہونہہ ۔ السر !

ایجنٹ : السر ؟

لیڈی ڈاکٹر : ٹیومر !

ایجنٹ : قسطوں میں مت بتاؤ ڈاکٹر ۔ ایک ہی دفعہ بتا دو ۔ السر ٹیومر ۔ کینسر ۔

لیڈی ڈاکٹر : (ہاتھ دبا دیتی ہے) آئی ایم سوری انکل ۔

ایجنٹ : اب کیا ہوگا ڈاکٹر ؟

لیڈی ڈاکٹر : پابندی سے ہسپتال آتی رہئے ۔ جو ممکن علاج ہے ملتا رہے گا ۔ باقی باتیں خدا کے ہاتھ میں ہیں ۔

ایجنٹ : اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے ابھی۔ یہ چھوٹی سی جان کو کیا روگ لگ گیا ہے میرے اللہ؟

لیڈی ڈاکٹر: حوصلہ رکھیں۔ گھبرائیں نہیں۔ اس طرح وہ بھی گھبرا جائے گی۔

ایجنٹ : کیا اسے بتا دینا چاہیئے ڈاکٹر؟

لیڈی ڈاکٹر: ذاتی طور پر میں اس بات کی قائل ہوں کہ مریض کو اس کی بیماری کا علم ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس میں حوصلہ پیدا ہو اور وہ فائٹ بیک کر سکے لیکن عام طور پر ایسی باتوں کا نتیجہ برعکس ہی نکلتا ہے، آپ نہ ہی بتائیں اسے تو اچھا ہے۔

ایجنٹ: نوکری نہیں چھوڑتی ہے ڈاکٹر۔

لیڈی ڈاکٹر: کرنے دیں نوکری یہ اچھا ہے۔ دھیان بٹا رہے گا۔

ایجنٹ : لیکن (سعا ایک دھکا لگتا ہے)

آواز : اماں دیکھ کے (ایجنٹ چونک جاتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۶ : لب سڑک

(ایک سائیکل کا پہیہ ایجنٹ کے ساتھ رکا ہوا ہے۔ سائیکل سوار نہایت بیزاری کے عالم میں اسے دیکھ کر کہتا ہے)

سائیکل سوار: اماں یہ سارا شہر چھوڑ کر میرے ساتھ کیوں ٹکرا رہا ہے۔ میں نے تو ابھی کچھ نہیں دیکھا میں اور کہیں ٹریو جائے۔

ایجنٹ : (پکار کر) معاف کرنا بھئی۔ معاف کرنا (رکشہ والے کو پکارتا ہے) رکشہ رکشہ۔ (فلیش بیک)

سین نمبر ۷ : فلیش بیک میں ایجنٹ کا گھر

ثمینہ : میں کہتی ہوں ڈیڈی آپ کا جی خوش ہو جائے گا اسے دیکھ کر۔

ایجنٹ: واقعی؟

ثمینہ : ارے واہ۔ آپ کو میری پسند سے اختلاف ہے کیا؟

ایجنٹ : ارے نہیں نہیں قطعی نہیں۔ اب دیکھو نا تمہیں ماش کی دال پسند ہے مجھے بھی پسند

سے ہے تم بھنڈی نہیں کھاتی ہو میں بھی بھنڈی نہیں کھاتا ہوں البتہ لارڈ کلائیو کے بارے میں اختلاف ہے تھوڑا سا۔

ثمینہ : کون لارڈ کلائیو؟

ایجنٹ : یہی تو اختلاف ہے۔

(دونوں ہنستے ہیں۔ معاً دستک ہوتی ہے)

ثمینہ : انجم!

(ثمینہ دروازہ کھولتی ہے انجم داخل ہوتا ہے)

انجم : السلام علیکم انکل!

ایجنٹ : تو گویا آپ ہیں انجم۔ بھئی کان پک گئے۔ تمہارا نام سن سن کر۔

انجم : میں ہر روز ثمینہ سے کہتا تھا مجھے ڈیڈی سے ملواؤ۔

ایجنٹ : اور یہ ہر روز کہتی تھی میں آج انجم کو لے آؤں گی بیٹھو، بیٹھو!

ثمینہ : میں ذرا کچن میں جا رہی ہوں۔

انجم : ارے واہ ہمارے آتے ہی کچن یاد آگیا آپ کو؟

ایجنٹ : جانے دو بھئی تمہاری وجہ سے تو چائے لیٹ ہو گئی ہماری جاؤ جلدی سے لے آؤ۔ (ثمینہ کے جانے کے بعد) ثمینہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے انجم۔

انجم : اور ثمینہ ہی نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

ایجنٹ : مجھے افسوس ہے انجم میں ثمینہ کی شادی نہیں کر سکتا۔

انجم : کیوں انکل؟

ایجنٹ : کچھ مجبوریاں ہیں۔

انجم : آپ کی؟

ایجنٹ : میری بھی اور ثمینہ کی بھی۔

انجم : ایسی کیا مجبوری ہے انکل؟

ایجنٹ : میں نہیں بتا سکتا لڑکے لیکن شادی کا خیال تمہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔

انجم : لیکن کیوں انکل ؟

ایجنٹ: یہ بھی مجبوری ہے !

انجم : ثمینہ نے آپ کو بتایا ہو گا کہ وہ مجھ پر کتنا بھروسہ کرتی ہے آپ بھی بھروسہ کریں انکل۔ مجھے بتا دیں کیا مجبوری ہے۔

ایجنٹ : اگر میں کہوں کہ ثمینہ بیمار ہے تو۔

انجم : تو کیا۔ لوگ بیمار بھی تو ہوتے ہیں۔

ایجنٹ: وہ شدید بیمار ہے۔

انجم : کتنی شدید انکل۔ مجھے بیماری کا نام بتائیں۔ میں بیماریوں کے بارے میں کچھ تھوڑی بہت معلومات رکھتا ہوں۔

ایجنٹ : اگر معلومات رکھتے ہو تو پھر رپورٹ بھی پڑھ سکتے ہو گے۔

(رپورٹ دیتا ہے)

(انجم رپورٹ پڑھتے پڑھتے دوسری جانب مڑ جاتا ہے اس کے چہرے کے تاثرات کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس کرب میں مبتلا ہے اس کی پشت کیمرے کی جانب ہے وہ دھیرے دھیرے واپس کیمرے کی جانب پلٹتا ہے۔ اور رپورٹ ایجنٹ کو واپس کرتا ہے)

ایجنٹ: اِس لیے کہہ رہا تھا کہ مت پوچھو، البتہ اب جان ہی گئے ہو تو اتنی گذارش ہے کہ اسے مت بتانا۔ میں چاہتا ہوں کہ سال دو سال جو باقی ہیں وہ بغیر کسی خوف کے گزر جائیں۔

انجم : سال دو سال دو مہینے دو دن یا دو لمحے زندگی کو زندگی کی طرح کٹنا چاہیے انکل

ایجنٹ: کیا تم اب بھی ؟

انجم : میں اب بھی اپنے فیصلے پر قائم ہوں انکل زندگی کے فیصلے اتنے جلدی جلدی نہیں بدلا کرتے۔

ایجنٹ: میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کہوں ؟

انجم : آپ مجھ پر اعتماد کریں۔

ایجنٹ : اگر تم آمادہ ہو تو میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ انجم تاریخ متعین کر دو! میں شادی کی تیاری شروع کرتا ہوں۔

انجم : بہت زیادہ تکلفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے انکل۔

ایجنٹ : بہت زیادہ تکلفات میں کر بھی نہیں سکتا بیٹے لیکن کپڑا لتا زیورات دعوت اور دوسرے انتظامات تو کرنے ہی ہوں گے۔ پھر یہ بات نہ بھولو کہ میں ثمینہ کا باپ ہی نہیں ماں بھی ہوں اور ماں کی آرزوئیں بھی مجھی کو پوری کرنی ہیں۔

(معاً ثمینہ داخل ہوتی ہے اس نے چائے کی ٹرے وغیرہ اٹھا رکھی ہے اور کھانے پینے کا سامان بھی ہے۔ ایجنٹ اور انجم ابھی تک کھڑے ہیں۔ وہ انہیں کھڑے دیکھ کر مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتی ہے)

ثمینہ : (مصنوعی حیرت سے) ارے آپ لوگ ابھی تک کھڑے ہی ہیں کیا نہ بیٹھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

(جواب میں باپ حوصلہ افزا انداز میں مسکراتا ہے اور انجم نامعلوم طریقے سے آنکھ مار دیتا ہے)

ثمینہ : معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی بہت بڑی سازش ہو گئی۔

(معاً انشورنس ایجنٹ کو ایک دھکا لگتا ہے اور ایک اور آواز سپر امپوز ہوتی ہے)

آواز : او دیکھ کے بابا (کٹ)

سین نمبر ۷-اے

(انشورنس ایجنٹ سڑک پر چلا جا رہا ہے اور چلتے چلتے ایک جگہ رک کر دور دیکھنے لگتا ہے (کٹ)، فلیش بیک۔

سین نمبر ۹ : فلیش بیک میں کمپنی کا دفتر۔

ایجنٹ : دفتر سے میں نے آج تک کچھ نہیں لیا ہے نظامی!

نظامی : انکل معاف کرنا تم نے دفتر کو دیا بھی کیا ہے، دس دفعہ تو تمہاری ایجنسی لیپس ہو چکی ہے۔ یہ تو وہ عمر ہوتی ہے کہ جب انشورنس ایجنٹ اپنی ڈاک کھولتا ہے تو ہر

لفافے میں سے پریمیم کا چیک نکلتا ہے۔ اپنے ساتھ کے ایجنٹوں کو دیکھو کیا تھے کیا ہو گئے اور تم ؟

ایجنٹ : جو گذر گئی سو گذر گئی۔ اب اس پر لکچر بیکار ہے۔ اس وقت میرے مسئلے کی بات کرو نظامی۔ قرض میرا منظور ہو گا کہ نہیں ؟

نظامی : دیکھو انکل۔ میں صاف بتا دوں یہاں اس وقت، حالات ایسے ہیں کہ دفتر تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ تم خود سوچو کوئی بنیاد ہوتی ہے کسی چیز کی۔ کوئی فنڈ کوئی سیکورٹی کوئی اسٹیٹس ہوتا ہے۔ جن کی بنیاد پر کیس بنایا جاتا ہے میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے ؟

ایجنٹ : (اٹھنے لگتا ہے) اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو پھر اس بات کا جواب دیتا۔ اس وقت تو میں اپنی جگہ پر ہوں اور تم اپنی جگہ پر۔

نظامی : (ہمدردی سے) میں ذاتی طور پر اگر کچھ کر سکتا ہوں تو بتاؤ۔ میرا مطلب ہے اگر تھوڑے بہت پیسے چاہئیں تو ....

ایجنٹ : تھینک یو نظامی۔ وہ وقت آیا تو دیکھا جائے گا۔

نظامی : (ہاتھ پکڑ کر) میں جانتا ہوں تم ایک نہایت ہی خوددار آدمی ہو لیکن یار انکل ! تھوڑے الرٹ ہو جاؤ۔ تم جیسا آدمی تو اتنے پیسے چٹکی میں کما سکتا ہے۔ شہر کی تجوریاں بھری ہوئی ہیں دولت سے صرف دماغ استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

ایجنٹ : (ہنس کر) تو کیا ڈاکہ ماروں۔

نظامی : ڈاکے کی ضرورت نہیں ہے انکل۔ کچھ اونچا کام کرو۔ ایسے ایسے لوگ ہیں جو یوں کر کے لاکھ دو لاکھ کا بیمہ خرید تو سکتے ہیں لیکن وقت نہیں ہے ان کے پاس اور جن کے پاس بیمہ بیچنے کے لیے کوئی صحیح آدمی نہیں پہنچتا۔ مثال کے طور پر یہ ایک پروسپکٹ ہے (فائل دکھاتا ہے)

ایجنٹ : (فائل دیکھ کر) شیخ صابر علی۔

نظامی : جانتے ہو اسے ؟

ایجنٹ: اس کے باپ کو بھی جانتا ہوں۔

نظامی: تو پھر اٹیمپٹ کرو انکل۔ فوراً اٹیمپٹ کرو۔ یہ کان ہے سونے کی۔ اس میں سے سونا نکالنے کے لیے صرف صحیح اپروچ کی ضرورت ہے۔

ایجنٹ: (بڑبڑاتا ہے) صحیح اپروچ (کٹ) (فلیش بیک)

سین نمبر ۱۰: ایجنٹ کا گھر

(ثمینہ اور ایجنٹ، بہت خوشگوار موڈ ہے)

ثمینہ: یہ دیکھیں ڈیڈی کتاب لائی ہوں آپ کے لیے۔

ایجنٹ: ارے رے دکھاؤ۔ کونسی کتاب ہے۔

ثمینہ: آپ بتایئے کونسی ہو سکتی ہے؟

ایجنٹ: میرے لیے لائی ہو تو پھر ہوگی طلسم ہوشربا۔

ثمینہ: اوں ہوں۔

ایجنٹ: تو پھر ہوگی ہزار داستان۔

ثمینہ: اوں ہوں۔

ایجنٹ: ارے بتاؤ بھی پھر کیا ہے؟

ثمینہ: یہ ہے "صحیح اپروچ" بیمہ بیچنے کے لیے صحیح اپروچ لیکن آپ کے لیے بیکار ہے آپ تو اسے پڑھ کر کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

ایجنٹ: ارے واہ یہ کیا بات ہوئی۔ لاؤ دکھاؤ کتاب۔ ابھی تمہیں بتاتا ہوں۔ فائدہ اٹھا سکتا ہوں کہ نہیں (ورق کھول کر کتاب پڑھتا ہے) ہمیشہ اپنے کلائنٹ کے پاس خوش پوشاک اور اسمارٹ بن کر جائیں اور انشورنس کا تذکرہ کرنے سے پہلے آپ دوسرے موضوعات پر بات کریں جیسے موسم، سیاست، فلم، شکاریات، مہم جوئی وغیرہ (چٹکی بجا کر ثمینہ سے) شی شی شی۔ کلائنٹ صاحبہ ذرا آئیں تو سامنے (ایجنٹ کا اشارہ پاتے ہی ثمینہ ایک دم کلائنٹ بن کر بڑے رعب سے سامنے بیٹھ

جاتی ہے اور کچھ لکھنے لگتی ہے جیسے بہت مصروف ہو)

ایجنٹ: (کتاب کھول کر پڑھتا ہے) انشورنس کا تذکرہ کرنے سے پہلے آپ موسم، سیاست، فلم، شکاریات اور مہم جوئی (کھنکار کر) آں ہیلو مسٹر صابر علی!

ثمینہ: ہیلو انکل معاف کرنا میں ذرا کام میں مصروف ہوں۔

ایجنٹ: موسم آج بہت خوشگوار ہے صابر علی!

ثمینہ: بہت گندا موسم ہے آج۔

ایجنٹ: کیا خیال ہے آپ کا اب سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

ثمینہ: (لکھتے ہوئے) اونٹ... ہاں اونٹ۔ ہاں ہاں کوئی حرج نہیں اونٹ میں۔

ایجنٹ: شہر میں آج کل بڑی اچھی فلمیں چل رہی ہیں (کوئی جواب نہیں ملتا) میں نے کہا کبھی شیر کا شکار کیا ہے آپ نے۔ ہمارے والد شیر کے شکار کے بہت شوقین تھے

ثمینہ: مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں آپ؟

ایجنٹ: (غصے میں) صابر علی میں انسان ہوں یار۔

ثمینہ: (کھلکھلا کر ہنستی ہے) بس گھبرا گئے اور کر بیٹھے مسٹر لوز۔

ایجنٹ: اچھا یوں نہیں (پھر کتاب پڑھتا ہے)
بیمے کی بات کرنے سے پہلے وقت کا تعین ضروری ہے۔ یہ دیکھیے کہ کسٹمر کی مصروفیات کیا ہیں اس کا موڈ کیا ہے صحیح انشورنس ایجنٹ وہ ہے جو لنچ ایک کسٹمر کے ساتھ کرتا ہے اور ڈنر دوسرے کے ساتھ بیمے کی بات کرنے کے لیے کھانے کی میز سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی (معاً دونوں جھوٹ موٹ کا کھانا کھانے لگتے ہیں)

ثمینہ: (آواز دے کر) ویٹر! سویٹ ڈش میں کیا ہے؟ اچھا لے آؤ کسٹرڈ ٹھیک ہے رکھ دو ادھر۔

ایجنٹ: بہت اچھا کسٹرڈ ہے۔

ثمینہ: جی ہاں۔ بہت عمدہ۔

ایجنٹ: کھانا بھی بُرا نہیں تھا۔

ثمینہ : بہت اچھا تھا۔ کافی وقت ہو گیا ہے اب چلنا چاہیئے۔

ایجنٹ : یار صابر علی ! انشورنس کی بات تو رہ ہی گئی۔

ثمینہ : آآآ۔ ہاہاہا ۔اِتنا اچھا کھانا تھا اب انشورنس کی بات کر کے مزا کرا نہ کریں۔ (بیرے سے) ہاں بھئی یہ کیا ہے۔ اوہ بل۔ ارے پگلے ادھر دے دو۔ بڑوں کے سامنے چھوٹے بل ادا نہیں کرتے۔

ایجنٹ : (بیزاری سے منہ بنا کر) لاؤ بھائی۔

ثمینہ : (ہنستی ہے) ہی ہی ہی ہی ہی ہی۔

ایجنٹ : ہی ہی ہی۔ ہنستی ہو۔ اچھا لو میں تمہیں اور بیچنل کر کے بتاتا ہوں۔ آج میں سچ مچ کے صابر علی کے پاس جا رہا ہوں اور لاکھ روپے کا بیمہ بیچ کر آؤں گا۔

ثمینہ : یہ بھی دیکھ لوں گی ڈیڈی ! (کٹ)

سین نمبر ۱۱ : صابر علی کا دفتر۔

صابر علی : تم ایک بہت مخلص آدمی ہو انکل اور آج کی دنیا میں مخلص آدمی بڑی مشکل سے ملتا ہے لیکن جہاں تک انشورنس کا تعلق ہے تو یقین کرو تا دن بھر میں کئی انشورنس ایجنٹ میرے دفتر اور گھر کے چکر لگا کر چلے جاتے ہیں میں کسی کو گیٹ سے اندر نہیں آنے دیتا۔

ایجنٹ : انشورنس ایک ریسپکٹیبل پروفیشن ہے صابر علی !

صابر علی : میں مانتا ہوں انکل لیکن یہ ایک خالص کاروباری معاملہ ہے اور کاروباری نقطۂ نظر سے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے مجھ جیسا آدمی جس کے پاس لاکھوں کا بینک بیلنس ہو، کروڑوں کا کاروبار، مال جائیداد موٹر، بنگلے ہر شے موجود لیکن کوئی وارث نہ ہو۔ اور وہ لاکھ دو لاکھ کا بیمہ خریدے اور بیس سال تک گھس گھس کر کے اس کی قسطیں دیتا رہے تو آخر کیوں۔ مجھے بس قائل کر دو تم انکل۔

ایجنٹ : جو قائل نہیں ہوتے وہ تو کبھی نہیں ہوتے صابر علی ! ویسے بھی میں تم سے بحث

کرنے نو آیا نہیں تھا د جانے لگتا ہے)

صابر علی: ناراض ہو گئے ہو؟

ایجنٹ: نہیں ناراضگی کی کونسی بات ہے اس میں؟

صابر علی: دیکھو الکل ناراض نہ ہونا۔ کاروباری معاملے کو کاروباری طریقے سے دیکھنا چاہیئے اس سودے میں میرے لیے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ اگر تمہیں ضرورت ہے تو تمہاری خاطر میں ایک پالیسی خرید لینے کو تیار ہوں۔

ایجنٹ: نہیں صابر علی! اس سے قطع نظر کہ مجھے ضرورت ہے کہ نہیں میں تمہارے پاس ایک سودے کر آیا تھا امداد کے لیے میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۲: ایجنٹ کا گھر

ثمینہ: یہ بہت مشکل کام ہے ڈیڈی!

ایجنٹ: کام کوئی مشکل نہیں ہوتا بیٹی۔ دنیا مشکل ہے جس نے اس مشکل دنیا کو سمجھ لیا ہے اس کے لیے یہ آسان ہو گئی ہے۔ اور جس نے میری طرح اس دنیا کو نہیں سمجھا یا میرے دوست بخشی کی طرح بہت زیادہ سمجھ لیا ہے وہ کسی درگاہ، کسی خانقاہ کسی ویرانے، کسی میخانے یا پھر کسی کافی ہاؤس کا ہو کر رہ گیا (ثمینہ سنجیدہ ہو کر منہ دیکھنے لگتی ہے) ارے میں کس چکر میں پڑ گیا ہوں۔ بعض اوقات بالکل پٹڑی ہی سے اتر جاتا ہوں۔ آؤ تمہیں کچھ دکھاؤں۔ یہ دیکھو (بکس کھولتا ہے) یہ تمہاری امی کا سیٹ نکالا ہے آج میں نے۔ کیسا ہے؟

ثمینہ: بہت پیارا ہے ڈیڈی!

ایجنٹ: تم پہنو گی تو اور بھی پیارا لگے گا۔

ثمینہ: (اچانک موضوع بدل کر) ایک بات بتایئے ڈیڈی۔ مجھے کوئی ایسی بیماری تو نہیں ہے ناں؟

ایجنٹ: کیسی بیماری؟

ثمینہ: جس سے میں جلدی مر جاؤں گی۔

ایجنٹ : دیکھئے صاحب، ہماری آپ کی بے تکلفی نہیں ہے لہٰذا اس طرح کا مذاق ہم پسند نہیں کرتے۔

ثمینہ : ڈیڈی! میرے سوال کا سنجیدگی سے جواب دیں۔

ایجنٹ : ارے پگلی! یہ ایک معمولی سا السر ہے جس کو ڈاکٹر جس وقت چاہیں آپریشن سے نکال باہر کر دیں لیکن میں سوچتا ہوں۔ یہ تردد میں کیوں کروں (پیار سے) کیوں نہ تمہارے پیا کے سپرد یہ کام کر دیا جائے۔ شادی کے بعد تو تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔

ثمینہ : مجھے فکر یہ نہیں ہے ڈیڈی کہ میں ٹھیک ہوں گی یا نہیں، میں سوچتی ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو آپ تنہا رہ جائیں گے۔ نہ بیٹا نہ بیٹی۔ نہ بیوی نہ بھائی۔ آپ کا بازو تھام کر کوئی سڑک کراس کرانے والا بھی تو نہیں ہوگا۔

ایجنٹ : فضول بکواس بند کرو جی۔ میں تم سے پہلے مروں گا اور پتہ ہے کب مروں گا؟ (دیکھتی ہے) میرے نواسوں کے پوتے میرا جنازہ اٹھائیں گے۔

(ثمینہ ہنستی ہے معاً گاڑی کی بریک کی آواز سپرامپوز ہوتی ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۳ : سڑک کے کنارے۔

(ایجنٹ اپنے خیالوں میں مگن ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچتا ہے کار بڑے زور کی بریک لگا کر رکتی ہے اور ڈرائیور منہ باہر نکال کر کرخت لہجے میں کہتا ہے)

ڈرائیور : او کیوں زندگی سے بیزار ہو گیا ہے چاچا۔ دیکھ کے مر۔

(ایجنٹ اپنے حواس قائم کر کے پھر ایک رکشہ کو آواز دیتا ہے)

ایجنٹ : رکشہ رکشہ۔

(ایک رکشہ کھڑا ہوتا ہے ایجنٹ بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا جا کر اس میں بیٹھتا ہے۔ رکشہ فراٹے بھرنے لگتا ہے۔ رکشہ کے مختلف شاٹس۔ پھر رکشہ ایک ہسپتال کے گیٹ پر جا کر رکتا ہے۔ ایجنٹ نہایت افراتفری میں رکشہ سے اتر کر گیٹ سے اندر بھاگتا ہے (کٹ)

سین نمبر ۱۴ : اسپتال کا کوریڈور (کوریڈور کا لانگ شاٹ)

(ایجنٹ ہانپتا کانپتا دوڑتا ہوا آرہا ہے اور سامنے ایک دروازے کی طرف دوڑتا ہے جس پر جلی حروف میں ایمرجنسی لکھا ہے۔ وہ ٹھاکر کے ایمرجنسی کے دروازے سے اندر جاتا ہے۔ کیمرہ کچھ دیر تک اس دروازے کے پٹوں کی جنبش کو فوکس میں رکھتا ہے کہ معاً ایک مددگار نے ایجنٹ کو تھام رکھا ہے وہ اسے سہارا دے کر پھر باہر لاتا ہے اور ایک بنچ پر بٹھا دیتا ہے۔)

مددگار : حوصلے سے کام لیں بڑے صاحب حوصلے سے۔ بیٹھ جائیں یہاں۔

ایجنٹ : کیا میری بیٹی آپ کے سامنے لائی گئی تھی یہاں ؟

مددگار : میں خود ہی لایا تھا یہاں۔ میرے سامنے ہی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ بالکل ٹھیک ٹھاک سڑک کراس کر رہی تھی۔ بس اچانک چکرا کر گر گئی۔ (کٹ)

(مددگار ایجنٹ کے ساتھ بیٹھا ہے۔ ایجنٹ کی حالت قابلِ رحم ہے۔)

ایجنٹ : وہ بچ جائے گی ناں ؟ آپ نے تو اچھی طرح دیکھا ہے اسے ؟

مددگار : بس دعا کریں۔ بہت خون بہہ گیا ہے۔ اور بہت خون کی ضرورت تھی اسے۔ آپ نے آنے میں دیر کر دی۔

ایجنٹ : کیا خون نہیں ملا اسے ؟

مددگار : کون خون دیتا اسے ؟ خون کے لیے پیسہ چاہیئے۔ کوئی دردمند ہونا چاہیئے۔ جو بھاگ دوڑ کرے۔ میں نے پیش کیا اپنے آپ کو۔ ایک دو آدمی اور بھی آگئے تھے مگر خون کا گروپ ہی ایسا تھا نہیں ملا۔

ایجنٹ : اف میرے خدایا (اٹھتا ہے) مجھے جانے دو اندر۔

مددگار : آپ کو کوئی جانے نہیں دے گا اندر۔ دعا کریں آپ بیٹھ کے۔ ڈاکٹر اسے بچانے میں لگے ہوئے ہیں۔

(معاً ٹھاہ سے کوریڈور سے دروازہ کھلتا ہے اور ڈاکٹر باہر آتا ہے)

ڈاکٹر : کون ہے اس کا وارث ؟

ایجنٹ : یس میں اس کا باپ ہوں ڈاکٹر صاحب! کیسی ہے وہ؟
(ڈاکٹر ایجنٹ کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے اور نہایت دکھ اور درد کے ساتھ ایجنٹ کے کندھے کو دباتا ہے)
ڈاکٹر : آئی ایم سوری انکل۔
(ایجنٹ صدمے کی تاب نہ کر پتھر کا بت بن جاتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۵ : ایجنٹ کا گھر۔

(ایجنٹ کی آنکھ سے چھم چھم آنسو بہہ رہے ہیں)
انجم : اسے سب کچھ معلوم تھا انکل اور یہ بھی ایک حادثہ ہے کہ وہ حادثہ سے مرگئی ورنہ وہ جانتی تھی اسے سال چھ مہینے سے زیادہ جینا نہیں ہے۔
ایجنٹ : وہ ایک بہادر لڑکی تھی۔
انجم : اور ہمدرد بھی۔ اسے ہر وقت آپ کا خیال رہتا تھا۔
(معاً دستک ہوتی ہے)
ایجنٹ : کون ہے آجائیے۔
نووارد : لطافت حسین صاحب؟
ایجنٹ : فرمائیے میں ہوں لطافت!
نووارد : میں انشورنس سے آیا ہوں۔ سکندر ہے نام میرا۔ آپ کی لڑکی ثمینہ لطافت کے بیمہ کا چیک آپ کو پیش کرنا ہے۔
ایجنٹ : بیمہ ۔ ثمینہ کا ۔ ؟؟
نووارد : جی اس کے دفتر والوں نے ہمیں اس کی ڈیتھ کے پارٹیکلز دے دیئے تھے۔ ہم لوگ اس معاملے میں تاخیر بالکل نہیں کرتے۔ یہ پچاس ہزار کا چیک ہے سائن کیجیے یہاں۔ ارے سائن کریں۔ سوچ کیا رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں آپ شدید صدمہ سے دوچار ہوں گے لیکن زندگی اور موت دونوں چیزیں آدمی کے ساتھ ہیں سائن کیجیے (حواس باختگی میں سائن کرتا ہے) یس

چلوں گا۔ گاڑی میں کچھ لوگ اِنتظار کر رہے ہیں۔ (نو وارد چلا جاتا ہے)

ایجنٹ: دیکھا تم نے انجم۔ اُس نے مجھے بتائے بغیر میرے نام کا بیمہ بھی کرا رکھا تھا کیا تمہیں اس بارے میں معلوم تھا؟ (روتا ہے)

انجم: مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ یہ اس نے آپ کے بڑھاپے کے لیے ایک ہلکا سا سہارا چھوڑا ہے انکل۔ اسے ہمیشہ آپ کے آخری دنوں کی فکر رہتی تھی۔

ایجنٹ: کچھ باتیں اس نے مجھ سے چھپا رکھی تھیں۔ کچھ باتیں تجھ سے چھپا رکھی تھیں اور کچھ باتیں اس نے دونوں سے چھپا رکھی تھیں جو وہ اپنے سینے ہی میں لے کر مٹی کے ڈھیر میں اتر گئی ہے (توقف سے) آؤ یہاں سے باہر نکلیں۔

انجم: آئیے انکل چلیے۔

ایجنٹ: ایک منٹ رک جاؤ۔ میں چیک لے لوں۔

(ایجنٹ اٹھتا ہے اور چیک اٹھا کر بیگ میں ڈالتا ہے کیمرہ چیک کو اسٹیبلش کرتا ہے (کٹ)

سین نمبر ۱۶ : آؤٹ ڈور

(انجم اور ایجنٹ دونوں گاڑی میں بیٹھتے ہیں۔ چپ چاپ گاڑی چلی جا رہی ہے خاموشی سناٹا طاری ہے۔ ایجنٹ انجم کو گائیڈ کرتا ہے)

ایجنٹ: سیدھے چلو۔ دائیں۔ یہاں سے بائیں ہاتھ۔ سیدھے نکالو۔ الٹے ہاتھ — بس یہاں روک دو ذرا۔

(گاڑی کے اندر سے ایک بلڈنگ کا شاٹ لیا جاتا ہے۔ گیٹ پر اردو انگریزی دونوں میں بورڈ لگا ہوا ہے جس پر "خون کا عطیہ" لکھا ہے۔ ایجنٹ گاڑی روکنے کو کہتا ہے اور جب گاڑی رکتی ہے تو ایجنٹ اپنے بیگ سے چیک نکالتا ہے اور گاڑی سے نیچے اترنے لگتا ہے)

انجم: کہاں جا رہے ہیں انکل؟

ایجنٹ : یہ چیک ڈیپوزٹ کرنے شاید کسی اور ثمینہ کو خون کی ضرورت پڑ جائے۔
(انجم ایجنٹ کی طرف بڑے دکھ کے ساتھ دیکھتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۷ : کافی ہاؤس۔

(کافی ہاؤس عروج پر ہے۔ اپنی اپنی چوکڑیوں میں لوگ گفتگو کرنے میں مصروف ہیں۔ ایک میز پر ایک شاعر اپنا کلام سنا رہا ہے اور باقی لوگ بیٹھے واہ واہ کر رہے ہیں ایک میز پر ایک نیا پریمی جوڑا دھیرے دھیرے انتہائی رازدارانہ باتیں کرنے میں مصروف ہے کہ اچانک انشورنس ایجنٹ بڑے خوشگوار موڈ میں داخل ہوتا ہے۔ ایجنٹ کو دیکھ کر سب خاموش ہو جاتے ہیں اور فضا پر سنجیدگی چھا جاتی ہے)

ایجنٹ : ارے یہ تم لوگوں کو اچانک کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ بخمی صاحب! آپ نے یہ لوٹ مار کب سے شروع کر دی۔ سنا ہے رات آپ نے مشاعرہ لوٹ لیا۔ ہاہاہا

(سب لوگ خاموش رہتے ہیں)

بخمی : (اٹھ کر سنجیدگی سے) بیٹھئے انکل۔

ایجنٹ : (آگے بڑھ کر) میں ذرا ان بچوں کے پاس جاؤں گا۔

(ایک نیا پریمی جوڑا بیٹھا ہے انکل آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ جاتا ہے)

ایجنٹ : ہیلو یو آر اینڈ گرلز ٹوگیدر۔

لڑکی : ہیلو انکل!

ایجنٹ : ہوپ آئی ایم ناٹ ڈسٹربنگ یو۔!

لڑکا : انکل ہم ایک بہت ہی پرائیویٹ بات کر رہے ہیں۔

ایجنٹ : میں بتاؤں تم کیا پرائیویٹ بات کر رہے ہو؟ تم کہہ رہے ہو وعدہ کرو تا زندگی میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی۔ اور تم کہہ رہی ہو۔ نہیں ندیم! سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔

(تینوں کھلکھلا کر ہنستے ہیں)

لڑکی : آپ بڑے مزے کے آدمی ہیں انکل۔

ایجنٹ: اور ان ہی عہد و پیمان کی بنیاد پر جب شادی ہو جائے گی تو پھر پتہ ہے کیا ہوگا؟

لڑکا: کیا ہوگا؟

ایجنٹ: شادی کے بعد تم دونوں خوب لڑو گے اور محلے والے تماشہ دیکھیں گے ہا ہا ہا

(دونوں خوب ہنستے ہیں اور انکل بھی ہنستا ہے اور ہنستے ہنستے انکل رو پڑتا ہے)

ایجنٹ: (روہانسا ہو کر) وقت بہت تیزی سے گذر رہا ہے بچو۔ زندگی گذری ہوئی کل نہیں ہے اور نہ آنے والی کل ہے۔ زندگی آج ہے۔ اس وقت۔ یہ ایک لمحہ جو ہم گذار رہے ہیں۔ اس لمحے کو اپنے قبضے میں کر لو بچو! اس لمحے کو فضول باتوں میں ضائع مت کرو۔ ورنہ یہ لمحہ چھن جائے گا۔

(لڑکا اور لڑکی حیرت سے دیکھتے ہیں)

❤❤

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے....

سی آئی ڈی والا ________	محمد یوسف
انقلابی ________	مظاہر حسین
سی آئی ڈی والے کی بیوی ________	نفیسہ حسن
انقلابی کی بیوی ________	تہذیب جعفری
بجمی ________	سبحانی بایونس
مجو ________	ایم وارثی
سرتو ________	اسلم لاٹر
کمال ________	قربان جیلانی

اور کافی ہاؤس کے مستقل کردار

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں ؟
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

غالبؔ

۶

سین نمبر ۱ : کافی ہاؤس۔

کافی ہاؤس کے نمایاں کردار سیٹ پر موجود ہیں اور حسبِ معمول بحث مباحثہ میں مصروف ہیں۔

(آرٹسٹ، فلمی شاعر، صحافی، نجمی، انشورنس ایجنٹ۔ یہ سب لوگ ایک میز پر یکجا ہیں۔ باقی لوگ دوسری میزوں پر الگ الگ مصروفِ گفتگو ہیں۔ معاً ایک نوجوان ذرا تیزی سے کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے اور نمایاں میز کے پاس آکر مخاطب ہوتا ہے)

نوجوان : (تیزی سے آکر) آگئے — آگئے جناب۔

آرٹسٹ : ہش ہش ش ش۔ چپ۔

صحافی : ارے چپ ہو جاؤ۔ خاموش۔

پہلا آدمی : ہش ش ش۔ پلیز خاموش وہ آرہے ہیں۔

(سارے کافی ہاؤس میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ سب لوگ دروازے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ معاً قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے تو پہلا آدمی احتراماً دروازہ کھولتا ہے۔ دروازہ کھلتے ہی انقلابی بحانی داخل ہوتا ہے۔ سب لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں — اور ایک آہنگ کے ساتھ تالی بجانے لگتے ہیں۔ بحانی اِس استقبال پر حیرانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اِسی دوران کوئی پھولوں کا ہار بحانی کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ سب لوگ

تالیاں بجاتے ہوئے بیٹھ جاتے ہیں)

نجمی : ؎ اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا ہے
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

انقلابی بسحانی : ؎ ہجر سے خوش وصال سے ناخوش
کیا طبیعت جگر نے پائی ہے

آرٹسٹ : اچھا یار سناؤ اب۔

بسحانی : کیا سناؤں ؟

آرٹسٹ : رودادِ قفس۔ کیسے گئے اور کیسے آئے ؟

بسحانی : یار! یہ داستان گوئی مجھے نہیں آتی ہے۔

فلمی شاعر : کمال کرتے ہو دوست۔ لوگ کراچی سے پلیر تک جاتے ہیں تو ایک سفرنامہ لکھ مارتے ہیں۔ اور تم تو جیل سے لوٹے ہو۔

(سی آئی ڈی والا داخل ہوتا ہے تو فلمی شاعر بولتے بولتے چپ ہو جاتا ہے پھر سارا کافی ہاؤس خاموش ہو جاتا ہے۔ سب لوگ سی آئی ڈی والے کی طرف قدرے نفرت سے دیکھنے لگتے ہیں مگر سی آئی ڈی والا کسی کا نوٹس لیے بغیر چپ چاپ دور جا کر ایک کونے کی میز پر بیٹھ جاتا ہے)

آرٹسٹ : یہ تو سائے کی طرح تیرے ساتھ ہی چپک گیا ہے۔ تم قید تھے تو اس کی صورت بھی نظر نہیں آئی۔

بسحانی : یہ تو میرا محافظ ہے۔ میری غیر موجودگی میں اس کا یہاں کیا کام تھا؟

فلمی شاعر : یہی تو الٹے سیدھے مکھڑے لکھ کر مرواتا ہے نہیں۔

صحافی : اس کا علاج ضروری ہے دوستو!

ایجنٹ : اس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ بمبہ۔

مجو : (اٹھتا ہے) اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اسے اٹھا کر کھڑکی سے نیچے پھینک دو۔

بسحانی : (ہاتھ پکڑ کر) نہیں مجو۔ ایسی بات نہیں کرنا۔

مجو : نہیں استاد۔ یہ ایسے ہی اَن ٹسنٹ لکھ کر تمہاری زندگی برباد کردے گا۔
آرٹسٹ : اَن ٹسنٹ تیرے بارے میں کیوں نہیں لکھتا۔ بخمی کے بارے میں کیوں نہیں لکھتا

مجو : تو بھائی بسحانی کے بارے میں کیوں لکھتا ہے؟

آرٹسٹ : اِس لیے کہ بھائی بسحانی میں ضرور کھوٹ ہوگی۔

فلمی شاعر : یار سچویشن بہت گھمبیر ہے اور تم لوگ ابھی تک مکھڑے میں پھنسے ہوئے ہو کچھ آگے کی سوچو۔

مجو : آگے کی یہ ہے کہ پہلے اس کا یہاں سے طبلہ بجاؤ۔

بسحانی : (روکتے ہوئے) ارے مجو!

مجو : چھوڑدیں استاد۔ آج فیصلہ ہو جائے ادھر

(مجو دور کرسی آئی ڈی والے کے پاس جاتا ہے مجو کے منہ میں سگریٹ ہے جو ابھی اس نے سلگایا نہیں۔ سی آئی ڈی والا بظاہر سیلف ڈیفنس میں اٹھتا ہے اور پستول نکال کر "ڈز" فائر کر دیتا ہے فائر کے ساتھ ہی مجو کا سگریٹ سلگ جاتا ہے۔ وہ خفت میں کش لگاتا ہے۔ سی آئی ڈی والا باہر چلا جاتا ہے۔ سب لوگ ہنستے ہیں)

مجو : تم لوگ ہنستے ہو۔ مجھے اس کے بچوں کا خیال آتا ہے (کٹ)

سین نمبر ۲ : بسحانی کا گھر

(بسحانی کی بیوی پیڈل والی مشین پر بیٹھی لمبے لمبے پردے وغیرہ سینے میں مصروف ہے وہ کچھ اس طرح آستین چڑھا کر کام کر رہی ہے جیسے کوئی مزدور بلڈنگ پر کام کرتا ہے۔ وہ ایک بھرپور محنت کش عورت معلوم ہوتی ہے۔ بسحانی گھر سے نکلنے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔

رانی : (مشین چلاتے ہوئے) جا رہے ہو؟

بسحانی : ارادہ تو ہے۔

شدو : کہاں جا رہے ہیں ابو؟

بسحانی : ہیں۔ میں کام پر جا رہا ہوں بیٹے۔

شدو : آپ کیا کام کرتے ہیں ابو؟

بسحانی : اوں ۔ ہوں ۔ میں کیا کام کرتا ہوں رانی ؟

رانی : تمہارے ابو لیڈری کرتے ہیں۔

شدو : لیڈری کیا ہوتی ہے؟

رانی : ارے وہ ہوتی ہے ایک چیز۔ لال لال سی ہوتی ہے۔ تیز تیز کنگورے ہوتے ہیں اس کے۔

شدو : کھاتے ہیں؟

رانی : ہوں۔ کھاتے ہیں۔ پہنتے ہیں۔ اوڑھتے ہیں بچھوتے ہیں۔

شدو : کہاں ملتی ہے ابو۔

بسحانی : یہ بھی امی سے پوچھو۔

رانی : ایمپریس مارکیٹ میں ہر دکان پر ملتی ہے بیٹے۔

شدو : ہمیں بھی لادو لیڈری امی۔

رانی : یہ تم ابو سے کہو۔

(موضوع بدل کر رانی کے عقب میں آتا ہے اور اس کے مشین چلاتے کندھوں کو آہستہ سے دباتا ہے۔ لمحہ بھر کو مشین رک جاتی ہے)

بسحانی : بات یہ ہے رانی کہ تمہارے کندھے تھک گئے ہوں گے۔

رانی : بات یہ ہے راجہ کہ مجھے مشین چلانے دو۔

بسحانی : ہوں۔ مشین کا چلنا ضروری ہے۔ پہیہ چلتے رہنا چاہیئے۔

(بسحانی پردہ اٹھا کر جب دو تین بار باہر دیکھتا ہے تو شدو پوچھتا ہے)

شدو : یہ باہر آپ کیا دیکھ رہے ہیں ابو؟

بسحانی : (پردہ ہٹا کر) باہر!

(سی آئی ڈی والے کا انسرشن)

رانی : (لقمہ دیتی ہے) لیڈری! (کٹ)

سین نمبر ۳ : آؤٹ ڈور فلم۔

(مکان کے سامنے ایک درخت کے نیچے سی آئی ڈی والا کھڑا ہے وہ بے چینی میں اپنی گھڑی دیکھتا ہے پھر یوں لگتا ہے جیسے اس نے سبحانی کو گھر سے نکلتا دیکھ لیا ہے۔ وہ انجان بن کر منہ دوسری طرف موڑ لیتا ہے پھر ایک دم چوکس ہو جاتا ہے اور تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر چھپتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ آگے چلنے لگتا ہے وہ معاً تیز ہو جاتا ہے۔ وہ اسی طرح چل رہا ہے جیسے پولیس کے لوگ تعاقب کیا کرتے ہیں۔ سی آئی ڈی والے تعاقب کرنے کے لیے کچھ شاٹس سی آئی ڈی والا ایک مصروف شاہراہ سے گذر رہا ہے۔

تیزی سے بس پر چڑھتا ہے۔ ایک بس سے اتر رہا ہے۔ ایک بلڈنگ کا رستہ طے کرتا ہے۔ اس بلڈنگ کے زینہ سے اتر رہا ہے کسی محلہ کے آسیب زدہ عمارت کا ایک حصہ سی آئی ڈی والا اس عمارت کے پاس ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک بڑے دروازے کی طرف دیکھتا ہے (کٹ)

(دروازہ): سبحانی دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے لیکن داخل ہونے سے پہلے وہ پلٹ کر پیچھے ایک نگاہ سی آئی ڈی والے کی طرف دیکھتا ہے اور اندر چلا جاتا ہے۔ معاً ایک، دوسرا سی آئی ڈی والا کسی سمت سے آتا ہے اور سی آئی ڈی والے کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے۔

سی آئی ڈی : آ سرتو آ گئے۔

سرتو : میں تو یہیں تھا روشو۔

سی آئی ڈی : بہرحال اچھا ہوا۔ تو اب اندر جا کر ڈیوٹی کر۔

سرتو : اور تم؟

سی آئی ڈی : میں جا رہا ہوں۔

سرتو : یار میرے کو بڑی مشکل پڑتی ہے روشن

سی آئی ڈی : کیا مشکل پڑتی ہے سرتو؟

سرتو : ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں لالہ۔ بس یہی کہتے رہتے ہیں (کاغذ نکال کر پڑھتا ہے)، یہ دیکھ۔ مارو جی حالات، پیداواری کوتیس، استحصال، طبقاتی جدوجہد، اور

دیکھتا انگریجی میں کیا ہے ؟

سی آئی ڈی : (ہنس کر) ڈائی لیکٹیکل میٹریلزم۔ ہا ہا ہا ہا۔

سرتو : اللہ تیرا بھلا کرے۔ اب یہ ساری الا بلا کون سمجھے گا۔ یار اپن تو ادھر اُٹی کرپشن میں ٹھیک تھے۔ ایمان سے۔ میں ادھر ہی واپس جاؤں گا۔

سی آئی ڈی : آدمی کو سب کچھ سیکھنا چاہیئے سرتو۔ شروع میں میں بھی تیری طرح اناڑی تھا۔ اپنے پلے بھی کچھ نہیں پڑتا تھا مگر اب دیکھ لے۔ آدمی ماں کے پیٹ سے سیکھ کر نہیں آتا۔ جا ڈیوٹی کر۔

سرتو : یار تو کر لے۔ میری تو کھوپڑی خراب ہو جاتی ہے اس ڈیوٹی میں۔

سی آئی ڈی : میں کر لیتا سرتو، پر میرا بچہ بیمار ہے آج گیارہ دن ہو گئے اسے بخار نہیں لوٹتا۔

سرتو : اچھا تو پھر تو فکر نہ کر اور جا گھر بچے کا خیال رکھ۔ (کٹ)

سین نمبر ۴ : سی آئی ڈی کا گھر

(بچہ نڈھال اور بے حال لیٹا ہوا ہے۔ بچے کی ماں اور سی آئی ڈی والا پاس ہے اچانک بچہ آنکھ کھول کر ڈرے ہوئے انداز میں پکارتا ہے)

بچہ : ابا۔

سی آئی ڈی : کیا بات ہے بیٹے؟

بچہ : میں نے خواب دیکھا ہے ابا۔

سی آئی ڈی (پریشان ہو جاتا ہے) : بیٹے سے رے میری جان! کیا خواب دیکھا ہے؟

بچہ : وہ ہاں۔ گھوڑے تھے۔ سفید۔

سی آئی ڈی : (فکر مند ہو کر) کیا کہا ڈاکٹر نے؟

بیوی : دوا بدل کے دے دی۔

سی آئی ڈی : یہ ڈاکٹر کچھ نہیں جانتا۔

بیوی : اور کس ڈاکٹر کو دکھاؤں میں۔ خود تو تیسرے دن گھر لوٹ کر آتے ہو۔

سی آئی ڈی : میں کہیں پکنک منانے جاتا ہوں کیا۔ ؟ دن رات کتے کی طرح آدمیوں

کے پیچھے دوڑتا ہوں۔ ایک منٹ کا چین نہیں ملتا ہے اور تم کہتی ہو ـــ

بیوی : تو میں کس سے کہوں اور کس کے پاس لے کر جاؤں بچے کو۔ اس کی حالت تو دیکھو کیا رنگ ہو گیا ہے۔

سی آئی ڈی : کچھ بھی ہو کل کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔

بیوی : ڈاکٹر اکرام بچوں کا بہت قابل ڈاکٹر ہے لوگ تعریف کرتے ہیں بہت۔

سی آئی ڈی : اس کے پاس چلے چلیں گے کل۔

بیوی : فاطمہ بتا رہی تھی پچاس روپے فیس ہے اس کی۔

سی آئی ڈی : پچاس تو بہت زیادہ ہے مہر!

بیوی : فاطمہ تو اسی سے علاج کراتی ہے بچوں کا۔

سی آئی ڈی : فاطمہ کا میاں ہے بھی تو کرائم میں۔

بیوی : اور تم پولیٹکل میں پڑے کیا کر رہے ہو۔

(سی آئی ڈی کے تاثرات) (کٹ)

<u>سین نمبر ۵ : سبحانی کا گھر۔ وقت رات</u>

(سبحانی کی بیوی نیم غنودگی کے عالم میں تنفس کے ہلکے ہلکے زیر و بم کے ساتھ سو رہی ہے۔ سبحانی تیار ہو کر نکلنا چاہتا ہے)

سبحانی : رانی ـــ او مہارانی!

رانی : (نیند میں) کیا ہے۔ سونے دو۔

سبحانی : اری تیرے بھاگ جاگ رہے ہیں اور تو سو رہی ہے اٹھ دروازہ بند کر رانی او رانی!

رانی : (نیند میں) کیا ہے سبحانی؟

سبحانی : کیا گھوڑے بیچ کر سو رہی ہو بیگم سبحانی!

رانی : (نیند میں) ارے مزدور ایسے ہی سوتے ہیں۔

سبحانی : مزدور ایسی سوئے گی تو یہ سرمایہ دار کیا کرے گا۔

رانی : (بازو پھیلا کر) سرمایہ دار بھی ہو جائے ناں۔

سبحانی : سرمایہ دار کہاں سو سکتا ہے میرے مزدور۔ اٹھ دروازہ بند کر۔

(دستک ہوتی ہے)

رانی : کون ؟

سبحانی : میں دیکھتا ہوں۔

(سبحانی آگے بڑھ کر دروازہ کھولتا ہے۔ اسے ادھ کھلے پٹ کے باہر سی آئی ڈی والا دِکھائی دیتا ہے)

سبحانی : آپ پ پ ؟؟

سی آئی ڈی : سبحانی صاحب۔ اب کیا پروگرام ہے آپ کا ؟

سبحانی : یہ بات پہلے تو آپ نے کبھی نہیں پوچھی۔

سی آئی ڈی : پہلے تو میں نے آپ سے کوئی بات بھی نہیں پوچھی تھی۔ آج کہاں جا رہے ہو

سبحانی : کہیں بھی جا رہا ہوں۔ آپ تو پیچھے پیچھے ہی آئیں گے خود ہی پتہ چل جائے گا۔

سی آئی ڈی : کیا بہت ضروری ہے آج آپ کا جانا۔

سبحانی : ضروری تو نہیں بس کافی ہاؤس تک ہی جا رہا ہوں۔

سی آئی ڈی : کیا ایسا نہیں ہو سکتا آج آپ نہ جائیں۔

سبحانی : ہو بھی سکتا ہے لیکن کیوں ؟

سی آئی ڈی : اگر آپ کہیں نہ جائیں تو میں اپنی رپورٹ بند کر کے چلا جاؤں گا۔

سبحانی : کیوں ؟

سی آئی ڈی : مجھے آج بہت ضروری کام ہے۔

سبحانی : کیا اتنا ضروری کام ہے ؟

سی آئی ڈی : میں نے کبھی کسی سے یہ بات آج تک نہیں کی ہے لیکن اس وقت بہت مجبور ہوں۔

سبحانی : تم بھی کیا یاد کرو گے چاچا کہ کس رئیس سے پالا پڑا تھا۔ لو کہیں نہیں جاتا۔ بتی

بجھاکر سوگیا۔
سی آئی ڈی : بہت مہربانی آپ کی۔ آپ رات دس بجے بتی بجھا کر سو گئے ہیں ٹھیک۔
سبحانی : ٹھیک۔
(سی آئی ڈی چلا جاتا ہے اور سبحانی کپڑے بدلنے لگتا ہے کہ بیوی پوچھتی ہے)
رانی : گئے نہیں؟
سبحانی : ارے تمہیں چھوڑ کر کس کم بخت کا جی چاہے گا جانے کو رانی۔
رانی : ارے میں کوئی پبلک ہوں راجہ کہ سچ بول رہے ہو۔
(دستک ہوتی ہے)
سبحانی : میں دیکھتا ہوں۔
(سبحانی بڑھ کر پھر دروازہ کھولتا ہے۔ ادھ کھلے پٹ کے باہر سبحانی کے دوست نعمان کا چہرہ دکھائی دیتا ہے)
سبحانی : آؤ نعمان
نعمان : آؤ نہیں، چلو سبحانی۔
سبحانی : کہاں؟
نعمان : کافی ہاؤس!
سبحانی : نہ (گردن نفی میں ہلاتا ہے)
نعمان : (حیرت سے) کیا نہ؟
سبحانی : نہیں۔ آج نہیں جاؤں گا میں۔
نعمان : کمال کرتے ہو۔ آج ہی تو تمہارا انتظار ہو رہا ہے وہاں۔
سبحانی : کیوں کیا بات ہے؟
نعمان : مکرم وغیرہ آئے ہوئے ہیں اور بھی بندے آئے ہیں لاہور سے۔ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔
سبحانی : یار! ان سے کل مل لوں گا نعمان۔

نعمان : کل کہاں ہوں گے وہ۔ صبح کی گاڑی سے جا رہے ہیں تمہاری خاطر بیٹھے ہیں وہاں۔ آجاؤ دیر نہ کرو۔

سبحانی : بات یہ ہے نعمان۔ یار میں نے کسی سے وعدہ کر لیا تھا۔

نعمان : ہائے ہائے۔ میں نے کہا کس سے وعدہ کر لیا تھا۔ بھابی کو پتہ ہے کہ نہیں؟

سبحانی : یار وہ اپنا چاچا ہے ناں۔

(فر فر لکھ کر بتاتا ہے) اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ آج نہیں نکلوں گا گھر سے۔

نعمان : ہاہاہاہاہاہا۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہاہاہاہاہا۔ چاچے سے وعدہ، ہاہاہاہاہا میں سمجھا پتہ نہیں۔ کیا مصیبت پڑ گئی ہے۔ ہاہاہاہاہا۔ چل آجا۔ ہاہاہاہاہا پاگل کہیں کا (گھسیٹتا ہے) آجا جلدی کر۔

سبحانی : اچھا کپڑے تو بدل لینے دے۔

نعمان : جلدی ہو جا۔ ہاہاہاہا۔ چاچا (کٹ)

سین نمبر ۷ : دفتر

(سی آئی ڈی والا اور افسر)

افسر : کہاں تھے تم رات؟

سی آئی ڈی : ڈیوٹی پر تھا جی۔

افسر : کہاں تھی ڈیوٹی تمہاری؟

سی آئی ڈی : سبحانی پر!

افسر : سبحانی کہاں تھا رات؟

سبحانی : گھر پر تھا جی۔

افسر : کب تک تھا گھر پر؟

سی آئی ڈی : گھر پر ہی تھا جی۔ نکلا ہی نہیں وہ رات۔

افسر : تمام رات گھر پر تھا؟

سی آئی ڈی : جی کوئی دس بجے بتی بجھا کر سو گیا تھا۔

افسر: اور تم باہر ڈیوٹی پر رہے؟ میری بات کا جواب دو اور تم باہر ڈیوٹی کرتے رہے؟

سی آئی ڈی: جی!

افسر: روشو، جھوٹ بول کر تم دوسری غلطی کر رہے ہو۔ یہ رپورٹیں بتا رہی ہیں کہ سبحانی دس بجے گھر سے فلاں آدمی کے ساتھ نکلا۔ فلاں فلاں جگہ گیا۔ جہاں صبح چار بجے تک موجود رہا۔ یہ رپورٹیں غلط ہیں یا تم غلط بیانی کر رہے ہو۔ جواب دو، میری بات کا۔

سی آئی ڈی: معافی چاہتا ہوں حضور کوتاہی ہو گئی۔

افسر: غلطی کو معاف کیا جا سکتا ہے لیکن فرض کی کوتاہی ناقابلِ معافی ہے۔ سمجھے گیٹ آؤٹ۔

سی آئی ڈی والے کے تاثرات (کٹ)

سین نمبر ۷: سبحانی کا گھر یا دروازہ

(سی آئی ڈی والا سبحانی کو لعن طعن کر رہا ہے اور سبحانی چپ چاپ سن رہا ہے)

سی آئی ڈی: تمہاری زبان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ تم لوگ ایسے ہی ہو۔ بے درد، اور بے حس لوگ۔ تمہارے موٹے موٹے لفظوں کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ میں نے سوچا تھا انسانیت کی لمبی لمبی باتیں کرتے ہو تو انسانوں کا دکھ بھی ہو گا۔ میں کچھ بھی سہی بہرحال ایک انسان ہوں۔ میرے بیٹے کی حالت تشویشناک تھی۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ اگر تم مجھے بتا دیتے تو میرا بچہ کتنا ہی بیمار سہی شاید میں بچے کو چھوڑ دیتا تمہیں نہ چھوڑتا لیکن میں نے تم پر بھروسہ کر لیا تھا اور اس بھروسے کی مجھے یہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ یہ دیکھو۔ یہ دیکھو تمہاری بے حسی کا سرٹیفکیٹ۔ جس آدمی کو اپنے بچوں کا نہیں اسے دوسرے بچوں کا کیا خیال ہو سکتا ہے۔

(سی آئی ڈی والا کاغذ منہ پر پھینک کر چلا جاتا ہے۔ سبحانی کے تاثرات وہ خط پڑھتا ہے)

(کٹ)

سین نمبر ۸ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس شباب پر ہے حسب معمول اپنے اپنے گروہوں میں بیٹھے لوگ مصروف گفتگو ہیں)

کاؤنٹر

علمو : ایک کافی صاحب

رمضو : تین چائے دو کافی، ایک پلیٹ سینڈوچ آج بجنس کچھ ٹھیک لگ رہا ہے صاحب۔

کیشیر : پہلی تاریخیں ہیں ناں رمضو میاں

رمضو : پہلی آخری تاریخ کا تو یہاں کبھی فرق ہی نہیں پڑتا۔ کوئی اور بات ہے صاحب۔

کیشیر : تو پھر سیٹھ نے کوئی تعویز وغیرہ دبا دیا ہوگا۔

رمضو : ہا ہا ہا ہا۔ تعویز تو ہم نے بھی باندھ رکھے ہیں۔

(دروازہ کھلتا ہے تو سبحانی داخل ہوتا ہے)

علمو : کیا بات ہے آج سبحانی صاحب کا سایہ ساتھ نہیں ہے؟

رمضو : اماں آدمی لنگڑا بھی تو جاتا ہے ناں۔ دھیرے دھیرے آ رہا ہوگا۔

علمو : ہی ہی ہی ہی۔ (کٹ)

(سبحانی کی میز)

(سبحانی ایک اکھڑی سی نگاہ سامنے کونے والی میز پر ڈالتا ہے تو وہ کرسی خالی دکھائی دیتی ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے کھولتا ہے تو اسے سی آئی ڈی والے کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے وہ چونک کر پھر آنکھیں بند کرتا اور کھولتا ہے لیکن وہاں کوئی نہیں ہوتا)

آرٹسٹ : کیا بات ہے رہنما؟

سبحانی : یار میں بہت ہی گھٹیا آدمی ہوں۔

آرٹسٹ : یہ تجھے آج پتہ چلا؟ آج چاچا نہیں آیا تیرے پیچھے پیچھے۔ قصہ کیا ہے؟

سبحانی : یہی تو قصہ ہے بھائی۔ میری وجہ سے وہ....

آرٹسٹ : انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ کب ؟
سبحانی : یار کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کر ۔ وہ غریب سسپنڈ ہو گیا ہے ۔
مجو : اچھا ہوا سبحانی صاحب ۔ تیری گردن کاٹ رہا تھا لکھ لکھ لکھ، ہر وقت لکھ ۔
سبحانی : ارے یار وہ بھی تو استحصالی نظام کا ایک وکٹم ہے ۔ اور ہم نے اسے بیروزگار ہی کر دیا ہے ۔
نجمی : روزگار کی مار بری ہے بھائی ۔ بہت بری ۔
سبحانی : اس کے لیے میں ذمہ دار ہوں نجمی ۔ میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ رات گھر سے باہر نہیں نکلوں گا ۔ اسی بنیاد پر اس نے اپنی خانہ پری کی لیکن میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہا اور وہ غریب مارا گیا ۔
نجمی : پھر تو اور بھی برا ہوا ۔
سبحانی : پہلے اس کا بچہ بیمار تھا اور اب اس کا اپنا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے ۔ پتہ نہیں میری اس چھوٹی سی کوتاہی سے اس پر اور کیا کچھ گزر گئی ہوگی ۔ معلوم نہیں وہ بچے کی دوا لا سکا کہ نہیں ۔ معلوم نہیں اسے تنخواہ ملی ہوگی کہ نہیں مگر کہاں ملی ہوگی ۔
فلمی شاعر : اہم بات یہ ہے کہ اس کافی ہاؤس کی فیملی کا ایک ممبر تھا جو کہ تکلیف میں ہے ۔
صحافی : باتیں کرنے سے بہتر ہے کچھ اس کے لیے کرو ۔
نجمی : (سوچتا ہے) کیا کیا جائے ؟
مجو : استاد گرامی ! بندہ نوکر ۔ مگر پولیس والے کے واسطے تم لوگ کیوں ....
نجمی : پولیس کے بارے میں تمہارے احساسات کا علم ہے مجو لیکن بات یہ ہے کہ
سبحانی : (کاٹ کر) پولیس والے بھی انسان ہوتے ہیں مجو ۔ اگر ان کے اندر کوئی برائیاں ہیں تو وہ بھی اسی سوسائٹی کی پیدا کردہ ہیں ۔ ماں کے پیٹ سے تو سبھی معصوم اور بے گناہ پیدا ہوتے ہیں اور جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے وہ اپنی لائن کے اندر ایک بہت با اصول اور دیانت دار آدمی تھا ۔
فلمی شاعر : اجی مختصر بات یہ ہے کہ ہمارا آدمی ہے اور اسے بحال کرانا ہے ۔

صحافی: تو پھر کچھ سوچو بھائی۔ کیا کیا جائے۔

آرٹسٹ: تم کہو کسی سے۔

صحافی: میں کس سے کہوں؟ بخمی صاحب آپ کچھ کہیں۔

بخمی: یار وہی سوچ رہا ہوں۔ کوئی نام ذہن میں نہیں آرہا ہے۔

آرٹسٹ: کمال ہے کہ......

صحافی: (کاٹ کر) ارے ہاں بھئی کمال۔ کمال سے کہو۔ تمہارا تو وہ لنگوٹیا یار رہ چکا ہے سبحانی۔

سبحانی: (چونک کر) کمال۔ کہوں اس سے۔ ایک زمانہ ہوگیا اس سے ملے ہوئے۔

انشورنس ایجنٹ: اب مل لو۔ وہ تو بہت بڑا آدمی ہے بھائی۔ کم از کم چار لاکھ کا بیمہ کرا سکتا ہے۔ یہ تو بہت چھوٹا کام ہے اس کے لیے۔

صحافی: مل لو سبحانی۔

سبحانی: میں ضرور ملوں گا۔

صحافی: ہم بھی ساتھ چلیں گے (کٹ)

سین نمبر ۹ : کمال کا دفتر

(سبحانی، صحافی، بخمی، صفدر اور آرٹسٹ بیٹھے ہیں)

کمال: آپ کے اس وفد کو دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید آپ لوگ دانشوروں کی ایک کالونی بنانے کے لیے کچھ پلاٹ وغیرہ حاصل کرنے آئے ہوں گے۔ یا کوئی معاشی مسئلہ ہوگا یا کوئی سیاسی بات ہوگی لیکن آپ نے تو پہاڑ میں سے چوہا نکالا ہے۔

بخمی: بس جناب یہی چھوٹا سا چاک رفو کرنا ہے آپ کو۔ مزید زحمت نہیں دینگے

کمال: میرا خیال ہے اگر آپ کوئی خدمت اور مجھ سے لے لیں تو زیادہ مناسب ہوگا

صفدر: فی الحال آپ ہمارا یہی کام کر دیں تو مہربانی ہوگی۔

کمال: اس کے لیے تو میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔

آرٹسٹ : آپ کے لیے تو یہ بہت معمولی کام ہے آپ خود فرما چکے ہیں۔
کمال : بڑا کام کرنا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔
صحافی : تو پھر چھوٹا کام کیوں مشکل ہے جناب۔
کمال : یہ ایک محکمے کا اندرونی معاملہ ہے جس سے آپ لوگوں کا تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔
صحافی : ہمارا تعلق نہ ہوتا تو ہم کیوں آپ سے کہتے۔
نجمی : ہم اس کی بے روزگاری کے ذمہ دار ہیں۔
سبحانی : میں ذاتی طور پر ذمہ دار ہوں، اس پر تمام افتاد میری غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے پڑی ہے وہ بے قصور رہے۔
کمال : اس معاملے میں میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا انحصار محکمہ جاتی انکوائری پر ہو گا۔
سبحانی : (لہجہ بدل کر) کمال۔ افسر بن کر ہم سے بات نہیں کرو گے۔ افسر آتے اور چلے جاتے ہیں۔ رشتے اور رویے باقی رہ جاتے ہیں۔ ہم تمہارے دوست ہیں اور تمہارے پاس اس ایک کام کے لیے آئے ہیں۔ جو ایک جینوین کام ہے۔ ایک غریب آدمی کا بچہ بیمار ہے اور وہ بے قصور مارا گیا ہے ہم اس کی بحالی چاہتے ہیں۔

(کمال اٹھ کر پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے)

کمال : سبحانی اِس طرف آؤ تم (سرگوشی میں) میرے پاس آئے ہو اس معمولی کام کے لیے جو تین درجے نیچے میرے افسر کے پی اے کے لیول کا ہے۔
سبحانی : تم اگر یہ معمولی کام نہیں کر سکتے تو بڑا کام کیا کرو گے کمال۔
کمال : بڑا کام کرانے کو تیار ہوں پگلے۔ کوئی اپنا کام کرا لو۔ ایک سب انسپکٹر کے بچے پر ترس کھانے سے پہلے اپنے بچوں پر ترس کھاؤ۔ تم ایک قابل اور لائق آدمی ہو۔ مجھ سے زیادہ اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے تھے لیکن زندگی خوار کر دی۔ جہاں تک تمہارا تعلق ہے میں ہر طرح تمہاری مدد کو تیار ہوں۔ کچھ کرا لو اپنے لیے

اپنے بچوں کے لیے کچھ مانگو کچھ لے لو لیکن یہ کس بکھیڑے میں پڑ گئے ہو تم؟

سبحانی: جو کام تم سے کہا ہے وہ کر رہے ہو کہ نہیں؟

کمال: تم ایک فضول آدمی ہو سبحانی۔

سبحانی: تم ایک فضول آدمی ہو کمال۔ آجاؤ دوستو۔ یہ ایک مشین کا آدمی بن گیا ہے۔ آؤ چلتے ہیں۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۰: کافی ہاؤس۔

(کافی ہاؤس عروج پر ہے۔ کم و بیش تمام اسٹاک کردار موجود ہیں لیکن نمایاں میز پر وہ گہما گہمی نہیں)

سبحانی: (غصے میں ہاتھ مار کر) میرے پاس کمال سے زیادہ ڈگریاں موجود ہیں۔ میں اگر چاہتا تو اس سے بڑی ملازمت حاصل کر سکتا تھا۔ وہ شے کیا ہے؟

آرٹسٹ: تو پھر کیوں نہیں کی بڑی ملازمت تم نے؟

سبحانی: اس لیے نہیں کی کہ آدمی بیوروکریسی میں اندر سے اسی طرح مر جاتا ہے جس طرح کمال مر گیا ہے۔ آپ نے دیکھا ایک چھوٹے سے کام کے لیے اس نے کس طرح بل کھائے ہیں اور بڑا کام کہتا ہے لے لو۔ طوطا چشم، سیلفش، بے حس۔

(معاً، چونک جاتا ہے سب لوگ ایک دم خاموش ہو جاتے ہیں۔ سی آئی ڈی والا کافی ہاؤس کے اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ وہ سبحانی کی طرف دیکھ کر بڑی توانائی سے آنکھ مارتا ہے۔ سبحانی بھی آنکھ مار کر جواباً وِش کرتا ہے۔ سی آئی ڈی والا حسب معمول ایک میز پر آ کر بیٹھ جاتا ہے) (خوشگوار میوزک)

صحافی: اس کی نگری میں دیر ہے اندھیر نہیں۔

(ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے)

آرٹسٹ: کوئی غزل سناؤ بھئی پھڑکتی ہوئی۔ سنا ہے کل زبردست مشاعرہ پڑھا آپ نے۔

سبحانی: بکواس مشاعرہ تھا وہ۔ ویسے بھی اخلاقی طور پر زوال پذیر سوسائٹی میں مشاعرہ ایک ایسا دم توڑتا انسٹی ٹیوشن ہے جہاں آدمی اپنی بچی کھچی تہذیبی قدروں

کو سمیٹ کر بچانے کی سعی تو کرتا ہے لیکن .... (آواز دب جاتی ہے)

سحانی بول رہا ہے اور لوگ سن رہے ہیں سی آئی ڈی والا لکھ رہا ہے۔

سی آئی ڈی والا سن کر رپورٹنگ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

❤❤

..... جامِ سفال اچھا ہے

رمضو (مرکزی کردار)	______	نصیر احمد
رمضو کی بیوی	______	نسیم صدیقی
بوس کا بیٹا	______	شبیر رانا
بوس	______	درانی
نجمی	______	سبحانی بایونس
شعلہ	______	محبوب
مینجر	______	عسکر مہدی
علم دین	______	نذر حسین

اور کافی ہاؤس کے مستقل کردار

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

غالب

۲۲

• سین نمبر ۱

(کافی ہاؤس کی میز پر فلمی شاعر کا تنہا سین ہے۔ وہ تنہا ٹیک لگائے پڑا سو رہا ہے۔ اس کے سامنے چائے کی ٹرے رکھی ہوئی ہے۔ وہ آنکھ کھولتا ہے اور پیالی میں ایک چمچ چینی ڈالتا ہے پھر آنکھ بند کر دیتا ہے چند لمحوں بعد پھر آنکھ کھولتا ہے۔ اور کیتلی میں سے چائے پیالی میں انڈیلتا ہے اور پھر آنکھ بند کر لیتا ہے۔ پھر معاً آنکھیں کھول کر ایک گھونٹ چائے کا پیتا ہے اور چائے کا گھونٹ لے کر یوں چوکس ہو جاتا ہے جیسے کوئی مرچ مصالحہ منہ میں پڑ گیا ہو۔ ایک دم سے ٹیبل بجاتا ہے)

فلمی شاعر: (ٹیبل بجا کر) رمضو! رمضو میاں!

رمضو : جی صاحب!

فلمی شاعر: ارے میاں رمضو یہ کیا چائے لے کر آئے ہو بھئی ایک دم ٹھنڈی برف۔

رمضو : صاحب صبح جب میں لے کر آیا تھا اس وقت تو ایک دم گرم گرم تھی۔ تیز۔

(دور کسی میز پر ایک زوردار قہقہہ بلند ہوتا ہے) (کٹ)

کافی ہاؤس

تحریر

ہدایات

سین نمبر ۲

(رمضو کا گھر۔ رمضو کا Solo ہے اور جب وہ "رشیدہ کی ماں" پکارتا ہے تو پھر دوسرے کردار اور گھر کا دوسرا سیٹ ظاہر ہوتا ہے)

رمضو : کیفیت جو ہے ناں وہ داکھل میں ہے داکھل سے کھارج میں ہے اور کھارج سے پھر انسان کے داکھل میں اثر اندراج ہوتی ہے کھوشی آدمی کے اندر ہے باہر نہیں۔ اگر باہر بہار ہو اور اندر دل کے چمن میں کھجاں ہو تو بہار بھی کھجاں بن جائے گی رشیدہ کی ماں، یہ ایک مابادوبیات حقیقت ہے اور اِس سے انکار ممکن نہیں۔

رمضو کی بیوی : ہیں رشیدہ کے ابا۔ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔

رمضو : میں فلسفہ بول رہا ہوں میں رشیدہ کی ماں تیرے پلے نہیں پڑے گا پلے تو میرے بھی نہیں پڑتا میں نے سبحانی صاحب سے سنا اور یاد کر کے تجھے سنا دیا پر ایک بات جانتا ہوں میں۔

بیوی : وہ کیا؟

رمضو : (دل پر ہاتھ رکھ کر) یہاں داکھل میں کوئی چیز ہے جرور اور اسی کا کھیل ہے سب اور جندگی میں یہی ایک گر کی بات مجھے معلوم ہوئی ہے۔

بیوی : رشیدہ کے ابا میری مان اب یہ کافی ہاؤس چھوڑ دے اور کسی اچھی جگہ نوکری کر۔

رمضو : کیا مطلب؟

بیوی : مطلب یہ ہے کہ جہاں الٹی سیدھی باتیں سیکھنے کی بجائے اچھے پیسے ملیں۔ ذرا نصیبا کے لڑکے کو دیکھو کیا نصیب چمکے ہیں اس کے۔ کل کا لونڈا ہے تنخواہ کو چھوڑو تیس چالیس اوپر سے آتا ہے روز۔ تمہیں تو یوں چٹکی میں نوکری مل جائے گی۔

رمضو : نوکریوں کا میرے لیے گھاٹا نہیں ہے رشیدہ کی ماں فائیو اسٹار ہوٹل میں مل سکتی ہے لیکن کافی ہاؤس کیوں چھوڑ دوں۔ اِسی نوکری کے سہارے تو جندگی گزاری اِسی آمدنی پر بچے پالے ہیں اور سارا سلسلہ چلایا ہے اور اب اسے لات مار دوں۔

بیوی : جب کی بات اور تھی اب کی بات اور ہے۔

رمضو : اب کیا ہو گیا ہے، مادو بیات بدل گیا ہے کیا؟
بیوی : اب زمانہ بدل گیا ہے بیٹی کو دیکھو کتنی بڑی ہو گئی ہے۔
رمضو : اور اس کا بھائی بھی تو دیکھو کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ اب یہ کمائے گا۔ آخر ہم نے بھی تو اپنے بھائی بہنوں کو پالا ہے۔
بیوی : یہ کب کمائے گا اور کب پالے گا۔ سارا دن تو آوارہ گردی کرتا رہتا ہے کب کمائے گا وہ؟
رمضو : بس ذرا صبر کرو۔ نجمی صاحب کام کرا دیں گے۔ اس سے کہنا درخواست داغ دے کمپنی میں۔ باقی مابا دو بیات میرا جماں ہے۔ اچھا بھاگوان میں تو چلا۔
بیوی : کیا بات ہے آج جلدی جا رہے ہو؟
رمضو : جلدی نہیں آج وقت پر جا رہا ہوں۔
بیوی : اے ہے وقت کے بڑے پابند ہو گئے ہو؟
رمضو : پابند ہوا نہیں بنا دیا گیا ہوں۔ سیٹھ ذرا باہر گیا ہے اور کافی ہاؤس اپنے بیٹے کے سپرد کر گیا ہے۔ آج سے بیٹا چلائے گا کافی ہاؤس۔ بڑا پڑھ لکھ کر آیا ہے ہوٹل بجنس کے بارے میں (کٹ)

سین نمبر ۲ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس۔ کے کاؤنٹر کے پیچھے بوس کا بیٹا بہت چاق و چوبند کھڑا ہے۔ کافی ہاؤس میں بہت کم لوگ ہیں ابھی نمایاں میز پر صرف چار آدمی بیٹھے ہیں۔ آرٹسٹ انکل شعلہ اور سبحانی نہایت انہماک سے مصروفِ گفتگو ہیں کسی بات پر سب لوگ ہنستے ہیں)

آرٹسٹ : کیوں کیسا فقرہ لگایا؟
سبحانی : فقرے پر کیا خوش ہو رہے ہو احمق۔ غیر علمی سوسائٹی میں فقرے بازی ہی لوگوں کا نصب العین ہوتا ہے۔ وہ کوئی کام کرنے کی بجائے یہ ارادہ کر کے گھر سے نکلتے ہیں کہ آج فلاں فلاں پر فقرہ لگانا ہے اور جب کوئی ایسا مضحکہ خیز فقرہ بولیں

جس پر لوگوں کو ہنسی آجائے تو اترا کر پوچھتے ہیں کیوں کیسا فقرہ لگایا؟

آرٹسٹ : (چھیڑتے ہوئے) کیوں کیسا فقرہ لگایا؟

(سب زور سے ہنستے ہیں)

رمضو : (سنجیدہ ہوکر) صاحب! ذرا آہستہ ہنسیے یہ ہوٹل ہے۔

شعلہ : رمضان خاں، خیریت؟

رمضو : جی ہاں خیریت!

سلیم شہزاد: اسے کیا ہوا؟

آرٹسٹ : اس کا پراسپکٹو آج فلیٹ ہوگیا ہے۔

(سجانی اور سی آئی ڈی والا آتے ہیں۔ سی آئی ڈی والا ٹک ٹک کرکے ٹیبل بجاتا ہے۔ رمضو سی آئی ڈی والے کے پاس آتا ہے)

سی آئی ڈی : رمضو میاں، ایک کاغذ اور ایک پنسل ہے؟

علمو : کاغذ اور پنسل نہیں ہے جناب!

سی آئی ڈی : کیا مطلب؟

علمو : چھوٹے صاحب ایک ایک پیسے کا حساب کر رہے ہیں۔ کاغذ پنسل سب بند

(علمو چلا جاتا ہے۔ سی آئی ڈی والا سوچ میں پڑکر غیر ارادی طور پر سجانی کی طرف دیکھتا ہے۔ سجانی حیرت سے کندھے اچکا دیتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی کچھ نہیں سمجھ سکا کہ رمضو کو کیا تکلیف ہے؟) (کٹ)

تیسری میز

(دو آدمی تیز تیز بحث کر رہے ہیں اور جذبات کی رو میں بہہ رہے ہیں)

صحافی : مسئلہ نثری نظم کا نہیں مسئلہ خیال کا ہے۔ خیال کا دھارا رکتا نہیں ہے وہ ہر اس نشیب اور فراز سے گزرے گا جو اس کی گذرگاہ بن سکتا ہے۔ آپ اس کی راہ میں ردھم اور میٹر اور قافیے اور ردیف کے بند (زور سے ہاتھ مار کر) نہیں باندھ سکتے۔

رمضو : میز پر ہاتھ نہ ماریں جناب! ٹوٹ گئی تو چار جنگ ہو جائے گی۔

وکیل : یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے (بازو پکڑتا ہے)

رمضو : صاحب میں ہوں بیرا، اور آپ کسٹمر۔ ہماری آپ کی بے تکلفی اچھی نہیں۔

(رمضو پیچھے ہٹتا ہے اور بوس کے لڑکے کی طرف قدرے حیرت سے دیکھتا ہے کافی ہاؤس والوں کی حیرت۔ بوس کے بیٹے کے چہرے کے تاثرات) (کٹ)

سین نمبر ۴ : رمضو کا گھر

(بیٹی رمضو کے سر میں تیل ڈال رہی ہے اور مالش کر رہی ہے۔ رمضو سخت پریشان بیٹھا ہے)

رمضو : شاباشے میری بچی۔ اور تیل ڈال۔ یوں کر یہ ساری بوتل انڈیل دے میرے سر میں۔

بیٹی : بابا یہ تو ساگ پکانے کے لیے لائی ہے اماں۔

رمضو : ارے سر ہوگا تو ساگ بھی پکے گا۔ ڈال دے کھوپڑی پر۔

بیٹی : (ہنستی ہے) یہ لو۔ مجھے کیا؟

بیوی : او تو مر جائے خانہ خراب۔ تیل میں نہلا دے گی۔ باپ کو؟

رمضو : ارے اسے مت کچھ کہہ۔ میں نے کہا ہے میرے سر کی نسیں ہیں ناں۔ یوں یوں کر رہی ہیں جیسے دیگچی میں سویاں کھول رہی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں دھماکہ نہ ہو جائے۔

بیوی : مگر تجھے ہوا کیا؟

رمضو : (اچھل کر کھڑا ہو جاتا ہے) ہونا کیا تھا پتہ نہیں کیا سمجھ رہا ہے اپنے آپ کو۔

بیوی : کون سمجھ رہا ہے اپنے آپ کو؟

رمضو : ارے وہی سیٹھ کا ملنڈا۔ ہوٹل بجنس میں ڈپلوما کیسا لے کے آگیا ہے شامت آگئی سب کی۔ اس کو یوں کر دے۔ اس کو ووں کر دے۔ میں تو پاگل ہو گیا

ارے برسوں کے تعلقات خراب کرا رہا ہے دوستوں سے۔

بیوی : ارے تو بڑے سیٹھ سے بات کرناں رشیدہ کے ابا۔

رمضو : یہی تو مصیبت ہوگئی ہے ناں۔ سیٹھ ہے نہیں یہاں۔ یہ آیا باہر سے تو کافی ہاؤس اس کے سپرد کرکے سیٹھ باہر چلا گیا۔ اور اب سب کا ناک میں دم آگیا ہے

بیوی : لیکن کہتا کیا ہے یہ ؟

رمضو : کہنا کیا تھا۔ اپنی ہنرمندی دکھا کر بکری بڑھائے گا۔ ہوٹل کی بکری۔

بیوی : یوں بات کرناں بکری بڑھتی تجھے اچھی نہیں لگ رہی ہے کیونکہ بکری بڑھے گی تو تیرے پاس بھی کچھ بڑھتی پیسہ آنے لگے گا۔ اور پیسہ تجھے اچھا نہیں لگتا۔

رمضو : باس باس باس۔ پیسے کا نام سنتے ہی تیرا بابا دو بیات بدل جاتا ہے۔

بیوی : بدلے یا نہ بدلے۔ سیٹھ کے لمڈے کو رہنا چاہیئے کافی ہاؤس میں تیرا یہی علاج ہے۔ میں سمجھی پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے۔ ہونہہ۔ (کٹ)

سین نمبر ۵ : کافی ہاؤس

(رمضو کاؤنٹر کے پاس سے آتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تختی ہے۔ وہ تختی لے کر سامنے دیوار کی جانب جاتا ہے اور ایک جگہ دیوار پر تختی آویزاں کر دیتا ہے جس پر جلی حروف میں یہ عبارت درج ہے :

" زیادہ دیر بیٹھ کر اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع نہ کریں "

کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نگاہ اس تختی کی طرف اٹھتی ہے۔ وہ نہایت ہی حیرت کے عالم میں اسے دیکھتے ہیں لیکن برداشت کر جاتے ہیں۔

ایک میز

(دو آدمی ایک میز پر آن بیٹھتے ہیں۔ رمضو دوسری طرف مصروف ہے۔ بوس کا بیٹا تیزی سے میز کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے)

بوس کا بیٹا : یس پلیز ؟

پہلا آدمی: چائے۔

بوس کا بیٹا: دو چائے؟

دوسرا آدمی: ایک چائے صرف اور کچھ نہیں؟

بوس کا بیٹا: (چٹکی بجاکر) رمضو ایک چائے اِدھر۔

رمضو: بہتر جناب!

بوس کا بیٹا: اور سنو۔

(سبحانی کی میز کی جانب اشارہ کر کے کان میں کچھ بتاتا ہے)

رمضو: بہتر جناب!

نمایاں میز

(سبحانی، شعلہ، صحافی اور آرٹسٹ۔ رمضو چلتا ہوا مرکزی میز پر آتا ہے اور آرٹسٹ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے)

رمضو: جناب پاؤں کرسی پر نہ رکھیں۔ مالکوں کو اعتراض ہوتا ہے۔

(آرٹسٹ چونکتا ہے۔ صحافی، انکل، فلمی شاعر، چاروں اس بات پر حیرت سے رمضو کی طرف دیکھتے ہیں لیکن رمضو کچھ نوٹس لیے بغیر واپس چلا جاتا ہے مجاؔ مجو کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے۔ وہ کافی ہاؤس کا ایک سرسری سا جائزہ لیتا ہے۔ اور پھر آرٹسٹ وغیرہ کی میز پر آتا ہے جہاں چار کرسیاں ہیں اور چار آدمی بیٹھے ہیں۔ مجو کھڑے کھڑے جائزہ لیتا ہے اور کرسی گھسیٹ کر ساتھ بیٹھ جاتا ہے)

رمضو: کرسی اپنی جگہ پر رکھیں جناب!

مجو: (حیرت سے) کیا مطلب ہے رمضان خاں؟

رمضو: مطلب یہ ہے کہ ایک میز کے ساتھ چار سے زیادہ کرسیاں نہیں ہوں گی۔

مجو: مذاق کرتے ہو رمضو میاں۔

رمضو: میرے اور آپ کے درمیان مذاق نہیں ہے جناب۔ کرسی واپس رکھیں۔

مجو: (ہکلاتا ہوا غصے میں) رمضو و و و ۔ و ۔!

رمضو : مجھے آپ مار سکتے ہیں جناب لیکن کرسی واپس رکھ دیں۔

مجو : (بیسیج کر) یار رمضو۔ بس اور تجھے کیا ماروں۔ تم تو میرے باپ کی طرح ہو لیکن "

رمضو : یہ کرسی اپنی جگہ پر واپس جائے گی جناب۔

(رمضو کرسی اپنی جگہ رکھتا ہے اور مجو ضبط کر کے دوسری جگہ الگ بیٹھ جاتا ہے اور کافی ہاؤس کے لوگ کچھ کھسر پھسر کرنے میں معروف ہو جاتے ہیں)

مجو : یہ کیا کر رہا ہے آج؟

صحافی : یہ کل سے ہو رہا ہے بھائی۔ کل تو آیا نہیں تھا (بخمی کی طرف دیکھ کر) اور کل بخمی بھی نہیں آیا تھا۔

(بخمی کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے وہ حسب عادت بہت سکون اور اطمینان سے آتا ہے لیکن کافی ہاؤس کا ماحول دیکھ کر اسے بھی کچھ اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی میز پر آتا ہے)

آرٹسٹ : آئیے آئیے بخمی صاحب۔ آپ ہی کا انتظار تھا۔

(پھر بخمی بھی مجو کی طرح کرسی گھسیٹ کر پاس لاتا ہے۔ رمضو تیزی سے آتا ہے۔ رمضو کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ اس کا چہرہ پھول کر کپا ہو جاتا ہے۔ مگر کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی آواز اس کے حلق میں پھنس جاتی ہے۔ بخمی محوِ حیرت اس کی طرف دیکھتا ہے اور پھر کرسی گھسیٹ کر ساتھ شامل کر کے بیٹھ جاتا ہے اب بخمی کی کرسی نمایاں میز پر پانچویں ہوتی ہے۔ سب دھیرے دھیرے باتوں میں لگ جاتے ہیں۔ اور رمضو واپس کاؤنٹر پر چلا جاتا ہے۔ بوس کا بیٹا گھورتا ہے اور رمضو کی طرف آتا ہے)

بوس کا بیٹا : کرسی اٹھوا دو وہاں سے رمضو!

رمضو : (سر جھکا کر) نہیں صاحب۔

بوس کا بیٹا : کیا مطلب؟

رمضو : یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔

بوس کا بیٹا : حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو؟

رمضو : انکار نہیں ہے جناب ۔ پر بجمی صاحب کو نہیں اٹھا سکتا ۔ کوئی اور ہوتا تو گستاخی کر بھی لیتا ۔ آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ وہ کتنے بڑے شاعر ہیں ۔

بوس کا بیٹا : بڑے شاعر ہیں تو پڑھے لکھے لوگوں کی طرح اٹھنا بیٹھنا بھی سیکھیں ۔ کرسی اٹھوا دو وہاں سے ۔

رمضو : عرض کیا ہے صاحب کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا یہ زحمت آپ خود کریں ۔

بوس کا بیٹا : تم کس مرض کی دوا ہو؟ جیسا کہا ہے ویسا کرو ۔

رمضو : نہیں صاحب !

بوس کا بیٹا : نوکری کرنی ہے یا نہیں (رمضو سوچ میں پڑ جاتا ہے ۔ رمضو کا کلوز اپ (وہ سوچ رہا ہے) نوکری ......

بوس کا بیٹا : میں پوچھتا ہوں ۔ نوکری کرنی ہے یا نہیں ۔ جواب دو مجھے (رمضو منہ سے جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اپنا ، بیروں والا کوٹ اتار کر بوس کے بیٹے کے حوالے کر دیتا ہے اور چپ چاپ کافی ہاؤس سے باہر جاتا ہے ۔ دروازے کے پاس پہنچ کر ایک لمحے کو رکتا ہے اور بجمی کی طرف دیکھتا ہے)

رمضو : مجھے معاف کر دینا ۔ بہت گستاخی ہو گئی ہے مجھ سے ۔ میں تو ...

(سب لوگ دم بخود رمضو کو دیکھتے ہیں ۔ رمضو سر جھکائے چلا جاتا ہے بوس کا بیٹا دھیرے دھیرے بجمی کی میز کی طرف خود بڑھتا ہے)

بوس کا بیٹا : معاف کیجئے آپ مہربانی کر کے دوسری میز پر آ جائیں ۔

بجمی : کیوں جناب ۔ یہ کس قسم کا حکم ہے ۔

بوس کا بیٹا : یہ کافی ہاؤس کے مینجمنٹ کا فیصلہ ہے جناب کہ ایک میز کے ساتھ چار سے زیادہ کرسیاں نہیں ہوں گی ۔ ہم ریسٹورنٹ کا ایک اسٹینڈرڈ بنانا چاہتے ہیں ۔ آپ مہربانی کر کے یہ اسٹینڈرڈ قائم کرنے میں ہم سے تعاون کریں اور کرسی وہیں رکھ دیں ۔

بجمی : آپ زیادتی کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔

بوس کا بیٹا: زیادتی تو ہمارے ساتھ ہو رہی ہے جناب۔ آخر ہم نے بھی بزنس کے لیے کھولا ہے کافی ہاؤس۔

مجو : (کھڑا ہو جاتا ہے) یہ کرسی نہیں اٹھے گی یہاں سے۔ بجمی صاحب بیٹھے رہیئے

بجمی : غصہ مت کرو مجو۔ یہ مالک ہیں۔ ان کی جگہ ہے یہ۔

آرٹسٹ: غصے کی کیا بات ہے یار۔ اب خواہ مخواہ کی دھونس دے رہا ہے۔

صحافی: ہاں یار یہ تو بڑی زبردست بے عزتی ہے۔ کبھی ایسا ہوا نہیں۔

مجو : ہم بیٹھیں گے اور اسی طرح بیٹھیں گے جس طرح بیٹھتے رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کون روکتا ہے ہم کو۔ بجمی صاحب کرسی آپ نہیں اٹھائیں گے وہاں سے۔

بوس کا بیٹا: یہ تو زبردستی ہے۔

مجو : زبردستی ہے تو پھر زبردستی ہے وہ زبردستی نہیں کہ رمضو کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔

(اور بھی لوگ کرسیاں کھینچ کر جڑنے لگتے ہیں۔ بوس کے بیٹے کے تاثرات)
(فیڈ آؤٹ)

سین نمبر ۶ : رمضو کا گھر

رمضو : لے تیری حسرت تو پوری ہو گی رشیدہ کی ماں!

بیوی : میری کونسی حسرت پوری ہو گئی؟

رمضو : ارے تیرے کو سوق تھا ناں بہت کہ میں کافی ہاؤس چھوڑ دوں سو چھوٹ گیا کافی ہاؤس۔

بیوی : میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ کافی ہاؤس چھوڑ کر گھر بیٹھ جا۔ میں نے کہا تھا کسی اچھے بڑے ہوٹل میں نوکری کرے۔

رمضو : ارے تیری آرجو کا ایک پارٹ پورا ہوا ہے ناں کل دوسرا پورٹ ۲ ہو جائے گا

میں نیوپورٹ ہوٹل میں بات پکی کر کے آ رہا ہوں۔ صبح سے لگ جاؤنگا کام پہ

(کٹ)

سین نمبر ۷ : پوش ہوٹل

(رمضو نئی اور رعب دار وردی میں ہے۔ پوش ہوٹل کا ایک کونہ یا کچھ حصہ ہے۔ چند جوڑے بیٹھے ہیں رمضو کے ہاتھ فریم میں آتے ہیں۔ وہ ہنستے ہوئے جوڑے کے آگے ٹیبل پر یکے بعد دیگرے دو گلاس قدرے آواز کے ساتھ رکھتا ہے۔ گلاس رکھنے کی آواز زیادہ نہیں معمول کے مطابق ہے لیکن ہنستا جوڑا یونہی نامعلوم انداز میں تھوڑا سا ڈسٹرب ہوتا ہے اور پھر ہنسی میں مصروف ہو جاتا ہے)

مینجر : (چٹکی بجا کر) ویٹر ادھر آؤ۔

رمضو : جی صاحب!

(رمضو کی ٹرے میں پانی کے گلاس ہیں اور ساتھ ہی ہاتھ میں مختلف کرنسی نوٹ اور بل بھی ہیں)

مینجر : (آہستہ سے) گلاس رکھو یہاں۔

رمضو : (گلاس رکھتے ہوئے) جی صاحب!

مینجر : اٹھاؤ (رمضو گلاس اٹھاتا ہے)

مینجر : رکھو۔ اٹھاؤ، رکھو۔ رکھو۔ اٹھاؤ۔ پھر۔ یوں۔ یہ طریقہ ہے گلاس رکھنے کا۔ تم تو کسٹمر کے سر میں ہتھوڑا مار دیتے ہو۔ کہاں کام کرتے رہے ہو پہلے؟

رمضو : کافی ہاؤس میں۔

مینجر : کیا چیز ہے یہ کافی ہاؤس؟

آواز : ویٹر!

(رمضو چونک کر سوچ میں پڑ جاتا ہے) (کافی ہاؤس کے تصور میں)

بجمی : رمضان خاں!

آرٹسٹ : رمضو چاچا !

آواز : ویٹر ! (تصور ٹوٹتا ہے)

مینجر : جاؤ بل لے جاؤ جلدی کیا سوچ رہے ہو؟

(رمضو بل لے کر جاتا ہے اور ایک میز پر بیٹھی ہوئی فیملی کے سامنے بل اور کھلے نوٹ رکھتا ہے۔ گاہک دس دس کے نوٹ اٹھا لیتا ہے اور باقی ٹرے میں پڑے ہوئے روپے روپے کے اور پانچ کا نوٹ رمضو کی طرف بڑھا دیتا ہے)

(رمضو کے چہرے کے تاثرات۔ حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات - وہ ٹرے میں سے نوٹ اٹھاتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۸ : رمضو کا گھر

بیوی : پانچ چھ سات آٹھ نو دس گیارہ بارہ۔ پندرہ بیس.....

(بیوی ایک ایک کر کے رمضو کے ہاتھ سے نوٹ لے رہی ہے۔ نوٹ ختم ہو جاتے ہیں اور پھر بھی ہاتھ بڑھاتی ہے)

رمضو : ارے بس کر رشیدہ کی ماں۔ ہاتھ بڑھائے جا رہی ہے

بیوی : رشیدہ کے ابا۔ یہ واقعی ایک دن کی آمدنی ہے کیا؟

رمضو : اور کیا میں دو دن لگا کے آیا ہوں؟

بیوی : اسی لیے تو کہتی تھی کافی ہاؤس چھوڑ دے۔

رمضو : چھوڑا کس کم بخت نے چھڑایا گیا ہے۔

بیوی : کچھ بھی سہی۔ کبڑے کے لات کام آجاتی ہے بس تو کہہ رہی ہوں تم نے پہلے ہی ایسے بڑے ہوٹل میں کام کیا ہوتا۔ تو اب تک ہم نے حویلی بنالی ہوتی۔

رمضو : ہاہاہا (ہنستا ہے) حویلی۔ ارے حویلی بنالیتی تو کیا ہوتا رشیدہ کی ماں خوشی حویلی میں نہیں۔ داخل میں ہے۔ حویلی تو ایک ایسی مادو بیات چیز ہے۔

بیوی : (منہ پر ہاتھ رکھتی ہے) بس بس رشیدہ کے ابا پھر کافی ہاؤس کا دورہ پڑنے لگا ہے تجھے

رمضو : پتہ نہیں کافی ہاؤس کا کیا حال ہوگا؟ (کٹ)

سین نمبر ۸-اے : کافی ہاؤس

(ہر چیز قرینے سے سجی ہے۔ چند میزوں پر اکا دکا آدمی بیٹھے ہیں۔ ایک میز پر صرف ایکٹر بیٹھا ہے سامنے ایک پیالے میں چائے اور ایک اسکرپٹ ہے۔ وہ اسکرپٹ دیکھ دیکھ کر منہ ہی منہ میں مکالمہ بول رہا ہے اور ہاتھ اور چہرے سے اظہار بھی کر رہا ہے۔ انشورنس ایجنٹ آتا ہے)

ایجنٹ : ہیلو نوبلی بوائے۔

ایکٹر : ہیلو انکل۔

ایجنٹ : کیا بات ہے۔ آج کافی ہاؤس میں صرف ہم بول رہے ہیں۔

ایکٹر : نہیں اس ویرانے میں ایک اور بولنے والا بھی ہے۔

ایجنٹ : کون؟

ایکٹر : سیٹھ کا بیٹا (دونوں ہنستے ہیں)

بوس کا بیٹا : آرڈر سر!

ایکٹر : ایک چائے کافی اور

بوس کا بیٹا : (بوس کا بیٹا پیڈ پر لکھتا ہے) اینی تھنگ ایلس۔

ایجنٹ : میاں ہم تو ایک پیالی پر وقت گزارنے والے ہیں (دونوں پھر ہنستے ہیں)
ذرا آہستہ دوسرے کسٹمر ڈسٹرب ہوتے ہیں۔

ایکٹر : کون دوسرے؟

(کیمرہ پین کرتا ہے کافی ہاؤس خالی ہے۔ بوس کا بیٹا کھسیانا ہو کر چلا جاتا ہے)

ایجنٹ : سناؤ بھئی علمو، رمضو کہاں ہے؟

علمو : سنا ہے بڑے ہوٹل میں لگ گیا ہے خوب عیش کر رہا ہوگا!
(کٹ)

سین نمبر ۹ : روپوش ہوٹل

(رمضو کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ مینجر کھڑا یہ چاپ محسوس کر رہا ہے۔ رمضو چلتا ہوا مینجر کے پاس سے گزرتا ہے تو مینجر چٹکی بجا کر اسے اپنی طرف مخاطب کرتا ہے)

مینجر : کس نے بھرتی کیا تھا تمہیں ؟

رمضو : بڑے صاحب نے۔

مینجر : بڑے صاحب نے اگر تجھے چلتے ہوئے دیکھا ہوتا تو شاید کبھی نہ رکھتے۔

رمضو : جی صاحب!

مینجر : چلنے کا طریقہ سیکھو۔

رمضو : جی صاحب!

مینجر : (زور دے کر) یس سر کہو۔

رمضو : یس سر!

آواز : ویٹر!

رمضو : یس سر!

(لانگ شاٹ)

(رمضو جاتا ہے۔ ایک جگہ سے بل اٹھاتا ہے۔ سلام کرتا دکھائی دیتا ہے دوسری جگہ بل دیتا ہے۔ نوٹ اٹھاتا ہے۔ سلام کرتا دکھائی دیتا ہے پلٹتا ہے تو فلمی شاعر اسے لابی میں دکھائی دیتا۔ دونوں قطعی طور پر بھول جاتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں اور بے اختیار لپٹ جاتے ہیں)

فلمی شاعر: (بہ آواز بلند) ارے واہ واہ رمضان چاچا۔ تم یہاں ہو!

رمضو : آہا شعلہ صاحب! آپ کیسے نکل آئے اِدھر؟

(دونوں پلٹتے ہیں)

فلمی شاعر: یار رمضو چاچا۔ ایک فلم پروڈیوسر آیا ہوا ہے اس کے چکر میں آیا تھا۔

تمہیں یہاں دیکھ کر ادھر آگیا۔ سناؤ خوب مال کما رہے ہو گے یہاں تو۔

رمضو : مال تو ہے پر دل نہیں لگ رہا ہے شعلہ صاحب۔ ایمان سے دل نہیں لگ رہا ہے۔

مینجر : (آواز دے کر) ویٹر! (چٹکی سے بلاتا ہے)

فلمی شاعر: اچھا میں لوٹتے ہوئے آؤں گا۔ ذرا انہیں کمرے میں دیکھ آؤں۔

رمضو : ارے نہیں دو منٹ بیٹھو۔ میری طرف سے ایک چائے۔ بیٹھو بیٹھو پھر چلے جانا میری خاطر بیٹھ جاؤ ذرا۔

مینجر : ویٹر!

رمضو : (جلدی سے جاتا ہے) جی صاحب۔ یس سر!

مینجر : اگر تمہارا کوئی بھتیجا بھانجا موجود ہے اسے گھر میں بلا لیا کرو اور بے ٹک خاطر تواضع کرو۔ یہاں ہنگامہ کیا تو تمہیں کچن میں لگادوں گا یا پھر باہر کر دوں گا

رمضو : صاحب وہ میرے بھانجے بھتیجے نہیں بڑے مشہور شاعر ہیں شعلہ۔

مینجر : شعلہ ہو کہ چنگاری ہو یہاں کچھ نہیں چلے گا۔ ٹھیک ٹھاک طریقے سے کام کرو۔ سمجھے۔

رمضو : یس سر!

آواز : ویٹر!

(رمضو جاتا ہے۔ لانگ شاٹ میں اس کی موومنٹ دکھائی جاتی ہے۔ وہ گھوم کر فلمی شاعر کے پاس آتا ہے اور ٹیبل صاف کرنے کے لیے پاس رکتا ہے اور بات کرتا ہے)

رمضو : اور سناؤ شعلہ صاحب۔ کیسے ہیں سب لوگ۔

فلمی شاعر: اس ہوٹل میں کسٹمر کے ساتھ بیرے کو بات کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ رمضان خاں مینجر تجھے گھور رہا ہے۔

رمضو : اجی گھورنے دو۔ جیادہ سے جیادہ نکال دے گا۔ کافی ہاؤس کی سناؤ۔ کیا

گزر رہی ہے وہاں؟

فلمی شاعر: کافی ہاؤس کی سچوایشن پر تو مرزا غالب لکھ گئے ہیں۔

ع کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ٭ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

کسی روز آؤ اور خود ہی دیکھ لو۔ اور سنو مجو کا داخلہ نئے مینجر نے بند کردیا ہے

رمضو: اچھا۔ مجو کا داخلہ بند کر دیا ہے (کٹ)

سین نمبر ۱۰: کافی ہاؤس

(مجو اپنے متعدد ساتھیوں کے ساتھ کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے اس کے ساتھیوں میں ہمارے مشہور لوگ آج ساتھ نہیں ہیں وہ دھڑسے داخل ہوتا ہے۔ اور تحکمانہ انداز میں کہتا ہے)

مجو: بیٹھ جاؤ سب لوگ جدھر جگہ ملتی ہے بیٹھ جاؤ۔

ایک ساتھی: مجو یہ بورڈ آج پھر لگ گیا ہے یہاں۔

مجو: پھر اتار کر پھینک دو اس۔

(ایسے) مجو دیوار پر لگا ہوا بورڈ اتارتا ہے۔ جس پر لکھا ہے "RIGHTS OF ADMISSION RESERVED"۔ مجو اتار کر بورڈ دور پرے پھینک دیتا ہے اور سب لوگ نہایت بے ترتیبی سے کافی ہاؤس کی نشستوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور کرسیوں کے اٹھا پٹک کی ٹھکا ٹھک آوازیں آتی ہیں۔ سیٹھ کا بیٹا ان لوگوں کی آمد دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہوتا ہے۔ بیٹھنے والے ایک ہنگامے کی صورت میں آن بیٹھتے ہیں)

علمو: (بوس کے بیٹے سے) آج پھر آ گئے سر۔

بوس کا بیٹا: آ گئے ہیں تو آرڈر لو جا کر ان سے۔

علمو: آرڈر سر!

بوس کا بیٹا: میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو آرڈر لو جا کر۔

(علمو جاتا ہے ایک گاہک کے پاس)

علمو : یس سر (گاہک سے) یس سر!

پہلا گاہک : پانی لاؤ ٹھنڈا۔

علمو : (دوسرے سے) یس سر!

دوسرا گاہک : پانی میرے لیے بھی پانی۔

تیسرا گاہک : ادھر بھی لاؤ پانی۔

علمو : بس جی صرف پانی۔ (مجو علمو کو پکارتا ہے)

مجو : سنو علمو۔ الگ الگ آرڈر لینے کی ضرورت نہیں ہے آدمی گن لو اور اسی حساب سے پانی لے آؤ سب کے لیے۔

علمو : اور کوئی چیز سر!

مجو : اور کوئی چیز نہیں۔ بس پانی لاؤ صرف۔

علمو : لیکن سر۔ وہ مینجر صاحب۔

مجو : دیکھو علمو سر ورمت ہو ہو ہم کو۔ تمہارے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں تم بھی مجبور ہو لیکن جیسے وہ بولتا ہے تم ویسے کرو اور جیسے ہم بولتے ہیں تم ویسے کرو۔ پانی لے آؤ دبا دب۔

علمو : بہت اچھا جناب۔ (علمو جاتا ہے)

علمو : کل والا آرڈر ہے آج بھی سر۔ پانی کا ٹینک بھروا لیں۔ شام تک پانی ہی چلے گا

بوس کا بیٹا : (غصے میں) پانی کیسے چلے گا۔ یہ کوئی یتیم خانہ ہے۔ آرڈر لے کر آؤ۔

علمو : سر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ خود بات کر یں۔

بوس کا بیٹا : (تیزی سے جاتا ہے) یس سر فرمایئے۔

مجو : آرڈر دے دیا ہے۔ پانی لایئے سب کے لیے۔

بوس کا بیٹا : دیکھیے سر ہم نے کوئی یہاں سبیل نہیں لگا رکھی ہے

مجو : نہیں لگا رکھی ہے تو اب لگا دیجیے سبیل۔

بوس کا بیٹا : یہ ریسٹورنٹ ہے۔ یہاں صرف پانی نہیں ہوتا۔ کھانے پینے کی اور چیزیں بھی

ہوتی ہیں۔

مجو : کھانے پینے کی چیزیں آپ مفت کھلائیں تو دوسری بات ہے ورنہ ہم گھر سے کھا پی کر آئے ہیں۔ کیوں دوستو (سب ہنستے ہیں)

بوس کا بیٹا: واہ یہ کیا بات ہوئی؟

مجو : دیکھئے جناب یہی بات ہوگی۔ پانی کے سوا یہاں سے کوئی آرڈر نہیں جائے گا۔

باس کا بیٹا: اور ہمارے دوسرے سامان کا کیا ہوگا؟

مجو : وہ آپ خود کھائیں۔ فقیروں کو کھلائیں یا پھینک دیں ہمیں تو صرف پانی چاہیے پانی۔ (سب مل کر) پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی

بوس کا بیٹا: نہیں ہے پانی۔ کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں گے تو پانی بھی آئے گا۔

سب مل کر: پانی۔ پانی پانی۔ پانی

(کافی ہاؤس میں سب طرف سے پانی پانی کی آوازیں ابھرنے لگتی ہیں۔ بوس کا بیٹا سخت پینک میں مبتلا ہے وہ کبھی ادھر کبھی ادھر لپکتا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔

سب آوازیں: پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ پانی

علمو : (بوس کے بیٹے سے) سر ذرا سختی کم کریں ورنہ سارا مال آج بھی بچ جائے گا۔

بوس کا بیٹا: بکواس مت کرو۔ میں غنڈہ گردی کے آگے جھکنے والا نہیں ہوں (ٹیلیفون کرتا ہے) ہیلو: پولیس اسٹیشن۔ دیکھئے میں کافی ہاؤس سے بول رہا ہوں۔ یہاں کچھ لوگ ہنگامہ کر رہے ہیں آپ کی مدد چاہیے۔ جی جی۔ اچھا جی۔ تھینک یو (بند کرتا ہے)

سب آوازیں: پانی پانی پانی پانی پانی

(معاً بڑا بوس ہوٹل میں داخل ہوتا ہے اور وہ یہ صورت حال دیکھ کر بھونچکا رہ جاتا ہے۔ وہ پانی پانی کرتے لوگوں میں سے نکل کر سیدھا کاؤنٹر کی طرف جاتا ہے)

بڑا بوس: (بیٹے سے) کونسے ڈرامے کا سین ہے یہ؟

بوس کا بیٹا: میں نے پولیس کو بلایا ہے ڈیڈی! ابھی اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جائیگا

بڑا بوس : (ٹیلیفون کرتا ہے) پولیس کو بلایا ہے۔ سلام علیکم صاحب میں آگیا ہوں ابھی ابھی آیا ہوں واپس۔ ہاں صاحب ہنگامہ تو ہے لیکن پولیس کی ضرورت نہیں رہی اب۔ آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہے۔ تھینک یو (بند کرتا ہے) ہش ش ش (ہاتھ بلند کرتا ہے)۔ (خاموشی) کیا بات ہے مجو، یہ کیا ہو رہا ہے

مجو : یہ بیٹے سے پوچھیں سیٹھ صاحب۔ اس نے سب لوگوں کو بھگا دیا ہے یہاں سے۔ سب کی بے عزتی کی ہے۔ ایسا پاؤں مت رکھو۔ ایسا چلو مت، ایسے ہنسو مت۔ کھانسو مت۔ کرسی مت کھینچو۔ ذرا پوچھیں اس سے۔ نجمی صاحب، سحانی صاحب، صفدر صاحب، انکل صاحب اور سب لوگ کہاں چلے گئے پوچھو اس سے۔ پوچھو رمضو کہاں چلا گیا۔

بڑا بوس : (افسوس کے ساتھ) رمضو! کیا ہوا رمضو کو؟

علمو : رمضو نوکری چھوڑ کر چلا گیا ہے جناب۔

بوس کا بیٹا : یہاں سب کی عادتیں بگڑی ہوئی ہیں ڈیڈی۔ کسٹمر کی بھی اور اسٹاف کی بھی۔ میں قاعدے کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ریسٹورنٹ کو ایسا بنا دوں کہ....

بڑا بوس : بس بیٹے بس۔ اس میں شک نہیں کہ تم بہت کوالی فائیڈ آدمی ہو۔ تم نے بزنس مینجمنٹ میں ڈپلوما لیا ہے لیکن تھیوری اور پریکٹیکل میں بعض اوقات بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ ہر چیز ہر جگہ اپلائی نہیں ہو سکتی۔

بوس کا بیٹا : آپ کا مطلب ہے کہ....

بڑا بوس : (کاٹ کر) میرا مطلب ہے کہ ہم درویشوں کا کافی ہاؤس ہم درویشوں کے پاس رہنے دو۔ اور بہت ماڈرن بزنس ہے ہمارے پاس تم اس کو جدید طریقے سے چلانے کی کوشش کرو۔ یہاں میں خود آگیا ہوں۔

(بوس کا بیٹا سر جھکائے مایوس ہو کر دھیرے دھیرے باہر نکل جاتا ہے)

بڑا بوس : (آواز دے کر) علمو ارے منہ کیا دیکھ رہے ہو پانی پلاؤ سب کو۔

بڑا بوس : اور رنجمی ، اسحاقی ، انکل صفدر اور سب دوسروں کو میرے آنے کی خبر کرو اور
ہاں علمو وں ں ں ں ۔

علمو : جی صاحب !

بڑا بوس : رمضو کو ڈھونڈھ لاؤ ۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۱ : (رمضو کا گھر)

(رمضو بہت پریشان اور مضطرب ہے وہ اپنی انگلیوں سے پیشانی اور کنپٹیوں کو دبا رہا ہے)

رمضو کی بیوی : میں کہتی ہوں تم کافی ہاؤس کا خیال اب دماغ سے نکال دو ۔

رمضو : دیکھو رشیدہ کی ماں ۔ پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا عزت بڑی چیز ہے خوشی بڑی چیز ہے ۔

رمضو کی بیوی : عزت کیا ہے پیسے سے عزت ہے ساری ۔ پیسے سے خوشی ہے سب

رمضو : یہ خوشی ہے ؟ میری طرف دیکھو رشیدہ کی ماں کیا میں تجھے خوش لگ رہا ہوں ؟ کیا میں ویسا ہی ہوں جیسا کافی ہاؤس میں تھا ۔

رمضو کی بیوی : کافی ہاؤس والوں کی چکنی چپڑی باتوں نے تم پر جادو کر دیا ہے اور کچھ نہیں ۔ تم گپیں مارنے اور گپیں سننے کے عادی ہو گئے ہو ۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ کافی ہاؤس چھوڑا تو گھر میں خوشحالی آگئی ہے زندگی میں پہلی دفعہ کھلا پیسہ دیکھا اب میں تجھے واپس کافی ہاؤس نہیں جانے دوں گی ۔

رمضو : باہر علمو میرے جواب کا انتظار کر رہا ہے ۔

بیوی : علمو کو میں جواب دے دوں گی (آواز دے کر) علمو ! اندر آؤ ۔

علمو : جی !

بیوی : علمو ! اب یہ واپس کافی ہاؤس نہیں آئیں گے تم سیٹھ کو بول دو ۔

علمو : دیکھیں جی ۔ صرف سیٹھ ہی نہیں ۔ کافی ہاؤس کے سب لوگوں نے تاکید کی

بھی کہ رمضو کو لے کر آؤں۔

بیوی : رمضو نہیں آئے گا علمو۔ جاکے بول دو سب کو۔

علمو : ٹھیک ہے جی بول دوں گا۔

بیوی : اور سنو۔ میری مانو تو تم بھی کوئی اچھی سی جگہ دیکھ لو۔ اور نکلو اس کافی ہاؤس سے (علمو چلا جاتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۲ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس عروج پر ہے۔ گرماگرم بحث ہو رہی ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی چوکڑیوں میں مصروف ہیں۔ ہم کافی ہاؤس کا ایک طائرانہ جائزہ لیتے ہیں۔ علمو کا ایک لانگ شاٹ دکھا کر ایک میز پر آتے ہیں جس پر ایکٹر بیٹھا ہوا ہے)

ایکٹر : میں ایک ایکٹر ہوں۔ پیدائشی ایکٹر۔ پیدائشی ایکٹر کو چانس زندگی میں صرف ایک مرتبہ ملتا ہے۔ میری مشکل یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ میری زندگی میں کبھی نہیں آیا۔

علمو : چائے جناب!

ایکٹر : رکھ دو علمو۔

بجمی کی آواز : علم دین پانی لے آؤ بیٹے۔

علمو : بہتر سر۔

بجمی کی میز

(بجمی بول رہا ہے اور ایک ہاتھ دکھائی دیتا ہے جو میز پر پانی رکھ رہا ہے ٹھاہ۔ ٹھاہ۔ ٹھاہ۔ پانی کے گلاس رکھے جا رہے ہیں)

بجمی : ایک بڑی چٹان سے بے شمار موجیں ٹکراتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں یا بکھر کر لوٹ جاتی ہیں۔ غالب ایک ایسا ہی پہاڑ ہے جسے تنقید کی کنکریاں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں۔ شاعری کے اس عظیم اور فلک بوس پہاڑ سے ٹکرانے کے لیے

اگر زیادہ نہیں تو کم از کم یگانہ چنگیزی کی طاقت تو ہوتا کر....

رمضو : (پانی رکھتے ہوئے کاٹ کر، تاکہ بابا دوبیات حقیقت کا پتہ چل جائے۔

(بجمی چونک کر اوپر دیکھتا ہے) رمضو وہ! تم (سب لوگ خوش ہوتے ہیں،

آرٹسٹ : بھئی واہ رمضو میاں تم تو ڈرامے سے آئے ہو۔

صحافی : ارے بھابی نے کیسے آنے دیا تم کو رمضان خاں ۔

رمضو : صاحب اپنا اپنا مسئلہ ہے سب کا۔ ہماری گھر والی کا مسئلہ یہ تھا کہ گھر سے خوشحالی نہ جائے۔

فلمی شاعر: اور تمہارے یہاں آنے سے ظاہر ہے گھر سے خوشحالی چلی آئی ہوگی۔

رمضو : نہیں صاحب ۔اس کا بندوبست کر کے آیا ہوں ۔لمڈے کو آئیل کمپنی میں بہت اچھی نوکری مل گئی ہے۔

آوازیں : ارے مبارک ہو۔ مبارک ہو رمضو میاں۔

رمضو : مبارک تو بجمی صاحب کو دو صاحب ۔جن کی بدولت میرے بیٹے کو اتنی اچھی ملازمت مل گئی ہے (بجمی کی پریشانی)، آپ پریشان نہ ہوں بجمی صاحب، آپ نے سفارش نہیں کی تھی لیکن جیسے ہی میں نے آپ کا نام لیا۔ انہوں نے کھٹ سے لمڈے کو اپائنٹ کر لیا (سب لوگ قہقہہ لگاتے ہیں۔ بجمی بھی ایک قہقہہ لگاتا ہے ۔ کافی ہاؤس کی گہماگہمی)

شکستِ آرزو

شعلہ (مرکزی کردار)	________	محبوب
نذرانہ (سنگر)	________	عذرا ریاض
نذرانہ کا باپ	________	امتیاز احمد
شعلہ کی بیوی	________	یاسمین طاہر
رفیع	________	قیصر محمود

اور چند دوسروں کے علاوہ ۔
کافی ہاؤس کے مستقل کردار

کلام ________ امید فاضلی

طبع ہے مشتاقِ لذت ہائے حسرت، کیا کروں
آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

غالب

سین نمبر ۱ : کافی ہاؤس (رات)

(سی آئی ڈی والا سجانی کو ڈھونڈتا ہوا ٹائلٹ میں جاتا ہے اور سجانی ٹائلٹ سے باہر آتا ہے۔ کافی ہاؤس میں گہما گہمی ہے۔ ایک میز پر شعلہ، نجمی، صحافی، ایجنٹ آرٹسٹ سنگر، ایکٹر سبھی لوگ موجود ہیں۔ شعلہ مکھڑے میں الجھا ہوا ہے وہ کچھ لکھتا اور کاٹتا ہے۔ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہے)

نجمی : شعلہ صاحب! پہلے کبھی مکھڑے میں اس طرح الجھے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا تھا

شعلہ : اِس طرح کی سچویشن بھی پہلے کبھی نہیں بنی تھی نجمی صاحب۔

صحافی : یار یہ کیا ہر وقت تم مکھڑے کا گورکھ دھندہ لیے بیٹھے رہتے ہو؟

شعلہ : اپنی تو زندگی ہی ایک مکھڑا ہے جرنلسٹ صاحب، خوبصورت اور حسین مکھڑا۔

سنگر : ہم نے اپنے گلے کے تار کاٹ کر سُر کے موتی بکھیرے ہیں جب ان مکھڑوں پر حسن کی روشنی پھیلی۔

ایجنٹ : حسن کیا ہے بقول شاعر ے چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے
خوبصورت مکھڑا وہی ہے جو چاند کی طرح سدا دمکتا چمکتا رہے اور اِس کی

حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ........

ایکٹر : (کاٹ کر) میرا پسندیدہ صابن استعمال کیجئے۔

ایجنٹ : حد ہو گئی یار۔ سبھی کو بھی مذاق سمجھتے ہیں۔ بیٹا جب پیچھے والوں کو کنگال چھوڑ کر مر گئے ناں تب پتہ چلے گا ہیمہ کیا ہوتا ہے (شعلہ مکھڑے میں مگن ہے)

نجمی : ہش ش ش ش۔ یار شعلہ صاحب کو ڈسٹرب نہ کرو۔

شعلہ : دوستو معافی چاہتا ہوں قصہ یہ ہے کہ ابھی پانچ منٹ میں میرے پروڈیوسر آنے والے ہیں وہ مجھ سے مکھڑا سنیں گے۔

صحافی : تو پرابلم کیا ہے سنا دیجئے مکھڑا۔

شعلہ : پرابلم یہ ہے کہ اگر انہیں مکھڑا پسند آ گیا تو ابھی اسی وقت میری قسمت کھل جائے گی۔

سنگر : کیسے ناں میری قسمت بھی۔

شعلہ : تیری اور میری دونوں کی قسمت کے بریک کھل جائیں گے اگر مکھڑا پسند آ گیا تو۔

آرٹسٹ : اور اگر مکھڑا پسند نہ آیا تو؟

شعلہ : تو وہ ایک سونگ بھی نہیں دیں گے میری قسمت میں ایک ایک دو دو گیت تو رہے ہیں پوری فلم کبھی نہیں ملی۔ یہ پہلا چانس ہے اور میں کوشش کر رہا ہوں کہ رفیع صاحب کے آنے تک (رفیع اچانک آتے ہیں) لو بڑی عمر ہے تشریف لے آئے ہیں۔ السلام علیکم رفیع صاحب۔

رفیع : السلام علیکم۔ السلام علیکم اوہو نجمی صاحب، السلام علیکم۔

نجمی : وعلیکم السلام۔ رفیع صاحب، مزاج عالی۔

(رفیع سب سے باری باری علیک سلیک کرتا ہے اور ہاتھ ملا کر بیٹھ جاتا ہے)

نجمی : اور رفیع صاحب، کیسے گذر رہی ہے، آپ بھولے بھٹکے اس طرف آ ہی جاتے ہیں

رفیع : ارے نجمی صاحب مانا کہ آپ بڑے شاعر ہیں لیکن ایک گیت اگر ہماری فلم کے لیے بھی لکھ دیں تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا ہماری فلم بڑی ہو جائے گی۔

بجمی : شرمندہ کرتے ہیں آپ۔ گیت تو شعلہ لکھ ہی رہے ہیں۔ ان سے اچھے گیت کون لکھ سکتا ہے؟

رفیع : وہ تو ابھی پتہ چل جائے گا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

شعلہ : چائے پئیں گے آپ یا کافی؟

رفیع : بھئی چائے کافی کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔ میں اپنے فائی نینسر کو چھوڑ کر آیا ہوں مجھے فوراً واپس جانا ہے مکھڑا سناؤ جلدی سے (اوروں سے) معاف کیجئے ذرا....

بجمی : ضرور ضرور۔ سب سنیں گے مکھڑا۔

شعلہ : سچویشن یہ ہے کہ جب ہیروئن....

رفیع : شعلہ! سچویشن کو چھوڑو۔ سچویشن خود معلوم ہو جائے گی سب کو تم مکھڑا سناؤ۔

شعلہ : (شعلہ مکھڑا سناتا ہے) ہے خوشبو کو سانسوں میں بسا نہیں جاتے۔ کوئی ری ایکشن نہیں ہے ڈائریکٹر بھی چپ ہیں)

شعلہ : (ذرا گھبراہٹ سے) میں نے اس کی دھن کا بھی ہلکا سا رنگ نکالا ہے۔ سلیم! ذرا چکھاؤ مکھڑا۔

رفیع : شعلہ! میں اپنے دس کام چھوڑ کر اور دو گیلن پٹرول خرچ کر کے یہاں آیا ہوں آپ کے پاس۔ آپ سمجھتے ہیں گا کے سنانے سے مکھڑے میں زور پیدا ہو جائے گا۔

شعلہ : (حیرت سے) رفیع صاحب!

رفیع : ارے صاحب آپ فلمی آدمی ہیں کسی کے ری ایکشن سے آپ کو رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیا؟

شعلہ : مگر...

رفیع : مگر کیا (رمضو کو غصے میں آواز دے کر) رمضو!

رمضو : جی صاحب!

رفیع : (موڈ بدل کر) سنو رمضو میاں۔ سارے کافی ہاؤس کو ہماری طرف سے کافی پلا دو

آج۔ کیا کھڑا لکھا ہے۔ واہ واہ سبحان اللہ (قہقہے) (کٹ)

سین نمبر ۳ : رات

(شعلہ گھر میں داخل ہوتا ہے بیوی کسی کام میں مصروف ہے۔ شعلہ اچانک زور سے آواز دیتا ہے)

شعلہ : ہاہ !

بیوی : آ گئے آپ ؟

شعلہ : کبھی کسی آواز کسی دھماکے سے خوف زدہ ہوتی بھی ہو تم ؟

بیوی : عادی ہو گئی ہوں۔

شعلہ : عادی نہیں ہو تمہیں پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔

بیوی : چلئے یونہی سمجھ لیجئے (آواز دے کر) ارے بچو! آجاؤ ابو آ گئے ہیں۔

بچوں کی آواز : ابو۔ ابو۔۔ ابو۔ ابو آ گئے۔

شعلہ : ارے ارے تم لوگ تو یوں کہہ رہے ہو ابو آ گئے جیسے ابو نہیں ریل آ گئی ہو۔

بچو : آج آپ جلدی کیسے آ گئے ؟

بیوی : آج کافی ہاؤس میں چھٹی ہو گئی ہے بچو۔

شعلہ : خدا نہ کرے کافی ہاؤس میں چھٹی ہو کبھی۔

بیوی : کھانا نکالوں ؟

شعلہ : پہلے یہ بتاؤ تمہارے پاس پیسے کتنے ہیں ؟

بیوی : میرے پاس دس روپے ہوں گے۔

شعلہ : اگر میں یہ دس روپے تم سے مانگ لوں تو ؟

بیوی : تو کیا۔ آپ ہی کی کمائی ہے۔

شعلہ : اور اگر سو روپیہ تمہیں دے دوں اس وقت تو ؟

بیوی : تو کیا لے لوں گی سو روپیہ۔

شعلہ : لیکن فوری طور پر سو روپے کا کرو گی کیا؟
بیوی : ہیّو پھٹے ہوئے جوتے پہن رہا ہے اس کے لیے ایک نیا جوتا خرید یوں گی۔
شعلہ : اور اگر پانچ سو روپے دے دوں ابھی تو؟
بیوی : تو کیا سب بچوں کے لیے کپڑے اور جوتے بنوالوں گی۔
شعلہ : اور اگر ایک ہزار دے دوں تو؟
بیوی : کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں آپ کہاں سے لائے ہیں؟
شعلہ : تو پھر لو ساجدہ گن لو۔ پورے دو ہزار روپے ہیں پوری فلم کا معاہدہ ہوا ہے۔
بیوی : (بغیر جذبات کے) مبارک ہو۔
شعلہ : اور یہ تو صرف سائننگ اماؤنٹ ہے ابھی سے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟
بیوی : کھانا لگالوں؟ (بیوی بے نیازی سے گنے بغیر رکھ دیتی ہے)
شعلہ : کوئی ہلچل نہیں (کٹ)

سین نمبر ۴ : ریہرسل روم

(سازندے وغیرہ اپنے ساز درست کر رہے ہیں۔ نذرانہ، شعلہ بیٹھے ہیں۔ میوزک ڈائریکٹر سنگر سے باتیں کر رہا ہے۔ سلیم میوزک ڈائریکٹر کو تان سناتا ہے)
سنگر : میں نے پوری زندگی یونہی درویشوں کی طرح گذار دی ہے رفیع صاحب!
رفیع : میں تو حیران ہوں سلیم میاں کہ اتنے بڑے شہر میں یہ اتنا بڑا ٹیلنٹ آج تک چھپا کیسے رہا؟
سنگر : اصل میں میں نہیں چھپا رہا رفیع صاحب، میں نے تو محفلوں میں، گلیوں اور بازاروں میں گاتے ہوئے ہی گذار دی ہے چھپے وہ لوگ رہے جو گوہر تلاش کرتے رہے۔
رفیع : اب تو ہم نے آپ کو تلاش کر ہی لیا ہے تو آپ سے کام بھی لیں گے انشاءاللہ (پکار کر) اچھا بھئی ریہرسل کریں نذرانہ — خاں صاحب!

نذرانہ : (تان لگاتی ہے) خوشبو کو سانسوں میں بسا نہیں جاتے۔

شعلہ : واہ۔ واہ۔ واہ

میوزک ڈائریکٹر: نہ۔ نہ۔ نہ۔ ٹوٹ رہی ہو نذرانہ۔ توڑو نہیں۔

نذرانہ : (تان لگاتی ہے) خوشبو کو سانسوں میں....

میوزک ڈائریکٹر: ہونہہ ٹھیک ہے۔

شعلہ : واہ۔ واہ۔ واہ

سنگر : (آہستہ سے شعلے کے ساتھ) شعلہ صاحب! ایک ڈوئٹ بھی لکھ دو کہ میرا کام بھی ہو جائے۔

شعلہ : سب کچھ ہو جائے گا۔ حوصلہ رکھو تم اب سنگر ہی نہیں آسمانِ موسیقی کے درخشاں ستارے بننے والے ہو۔

نذرانہ : (تان لگاتی ہے) خوشبو کو سانسوں میں....

میوزک ڈائریکٹر: تلفظ کا خیال رکھو نذرانہ۔

نذرانہ : (تلفظ درست کرتی ہے) خوشبو کو سانسوں میں....

ڈائریکٹر: (شعلہ سے) کیوں شعلہ جی؟

شعلہ : (درستی کرتا ہے) ہاں ٹھیک ہے۔ خوشبو کو....

نذرانہ : شعلہ جی! زبان کے معاملے میں بے زبان ہوں بالکل۔

شعلہ : کتنی ہی بے زبان سہی۔ پر ہو تو عورت ہی۔

میوزک ڈائریکٹر: اچھا بھئی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اسٹارٹ۔ ون ٹو تھری۔

(نذرانہ تان لگاتی ہے۔ تیز میوزک شروع ہوتا ہے۔ ریہرسل روم میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ شعلہ جذب ہو کر نذرانہ کو دیکھتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۵ : نذرانہ کا گھر

(نذرانہ کا باپ دستک پر دروازہ کھولتا ہے۔ باپ نے گڑگڑی والا حقہ اٹھا

رکھا ہے دھیرے دھیرے کش لگاتا ہے)

نذرانہ : آداب ابا جی !

نذرانہ کا باپ : جیتی رہو۔

نذرانہ : یہ شعلہ ہیں ابا جی ۔

شعلہ : آداب !

باپ : آداب ، آداب شعلہ صاحب - بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر تشریف لائیے

شعلہ : شکریہ ، شکریہ - نذرانہ بی بی نے بتایا کہ کچھ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی آپ کی میں نے سوچا آپ کی خیریت معلوم کر لوں ۔

باپ : بس ہم لوگوں کا ایسا ہی چل رہا ہے سلسلہ عمر کا بھی تو تقاضا ہے ۔

(دونوں بیٹھ جاتے ہیں ۔ پاس چاندنی بچھی ہے ۔ گاؤ تکیے لگے ہیں اور ہارمونیم وغیرہ پڑا ہے)

نذرانہ : ریکارڈنگ کروا کے آ رہے ہیں ابا جی !

باپ : ماشاءاللہ دکش لگ کر، کیسا ہوا گانا شعلہ صاحب ؟

شعلہ : میں تو سمجھتا ہوں بہت اچھا ہوا ۔

نذرانہ : ہٹ ہو جائے تب بات ہے ابا جی ۔

شعلہ : سپر ہٹ ۔

باپ : میں ذرا چائے کا کہہ دوں (اٹھ کر جاتا ہے)

شعلہ : کیا کہہ رہے ہیں رفیع صاحب ؟

نذرانہ : رفیع صاحب کہہ رہے ہیں میں صرف دو گانے گاؤں گی ۔

شعلہ : باقی ؟

نذرانہ : باقی تو آپ جانتے ہی ہیں کون ہے ۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی شعلہ صاحب ؟

شعلہ : کیا ؟

نذرانہ : لوگ مجھے ایک دو سے زیادہ گانے دیتے ہوئے ڈرتے کیوں ہیں؟

شعلہ : ہمیشہ نہیں ڈریں گے۔ مجھے بھی پروڈیوسر پوری فلم دیتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن اب دیکھو رفیع صاحب نے پوری فلم دی ہے تو تین چار پروڈیوسر اور آگئے ہیں۔

نذرانہ : (دعائیہ انداز میں) میری بار کیوں دیر اتنی کری؟

شعلہ : ایک بات بتاؤں نذرانہ دیر ہے اندھیر نہیں۔ یہ پوری فلم تم ہی گاؤگی۔

نذرانہ : (حیرت اور خوشی سے) واقعی؟ وہ کیسے؟

شعلہ : مجھ پر چھوڑ دو، بس یہ ہے کہ ذرا جم کے گاؤ تم۔

نذرانہ : شعلہ صاحب، کوئی شکایت نہیں کر سکتا ہے کہ میں نے کبھی دھن یاد کرنے میں دیر کی ہو، کہیں بے سری ہوگئی ہوں کبھی کوئی تان کوئی مرکی اس طرح نہ لگائی ہو جس طرح میوزک ڈائریکٹر نے چاہا ہو۔

شعلہ : یہ تو خاں صاحب بھی کہہ رہے تھے کہ نذرانہ کو اگر روپے میں چھ آنے بتاؤ تو آٹھ آنے کر کے بتاتی ہے۔

نذرانہ : کوشش کرتی ہوں۔ آپ یقین کیجئے شعلہ صاحب دن میں چار گھنٹے ریاض کرتی ہوں۔ بس ذرا زبان میں مار کھا جاتی ہوں، زبان ٹھیک نہیں ہے (زبان دکھا کر)

شعلہ : ارے کوئی نہیں ٹھیک ہو جائے گی زبان۔ ہم کاہے کے لیے ہیں۔ یہ معمولی بات ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تمہیں ابھی تک ایک گیت کی سنگر کیوں سمجھتے ہیں لوگ۔ تمہاری تو ہنسی میں بھی موسیقی ہے۔

نذرانہ : میں تو خوشی سے پاگل ہو جاؤں گی۔

شعلہ : کچھ سناؤ نذرانہ۔

(نذرانہ دھیرے دھیرے غزل سناتی ہے شعلہ سر دھنتا ہے)

نذرانہ : اب اور کیا کسی سے مراسم بڑھائیں ہم۔ (فیڈ آوٹ) (فیڈ ان)

سین نمبر ۶ : شعلہ کا گھر

(بیوی ٹیبل لیمپ جلائے ہوئے کوئی ناول پڑھ رہی ہے وہ کافی گریس فل لگ رہی ہے۔ معاً دستک ہوتی ہے۔ دستک سن کر وہ پلٹتی ہے اور میز پر رکھی ٹائم پیس پر وقت دیکھتی ہے دو بج رہے ہیں وہ کتاب کو اٹھا کر کے اور سینے سے ہی لگائے دروازے کی طرف جاتی ہے اور دروازہ کھولتی ہے شعلہ وارد ہوتا ہے۔ کتاب کو دیکھ کر)

شعلہ : جاگ رہی ہو ابھی تک۔ اوہو یہ بھی عجیب بات ہے۔

بیوی : کیا عجیب بات ہے؟

شعلہ : کہ شاعر کی بیوی اور رات دو بجے تک مطالعہ کرے۔

بیوی : ظاہر ہے کہ مطالعہ تو دونوں میں سے ایک کو کرنا ہی ہوگا۔

شعلہ : اچھا فقرہ ہے۔ بچے سو گئے؟

بیوی : ابھی ابھی سوئے ہیں۔

شعلہ : اتنی دیر سے کیوں؟

بیوی : پہلے فرمائش سن رہے تھے پھر باتیں کرتے رہے پھر کہانیاں سنتے سناتے رہے

شعلہ : فرمائش میں کیا تھا آج؟

بیوی : آپ کا نیا گیت آیا ہے۔

شعلہ : کیسا گایا ہے نذرانہ نے؟

بیوی : اچھا ہی گایا ہے بہت اچھا۔ کھانا کپڑے بدل کر کھائیں گے یا؟

شعلہ : کھانا میں نے کھا لیا ہے۔

بیوی : تو پھر میں کھاؤں؟

شعلہ : تم نے ابھی تک نہیں کھایا ہے؟

بیوی : بچوں کو کھلا دیا تھا۔ میں آپ کا انتظار کرتی رہی۔

شعلہ : انتظار بیکار ہے۔ میرے کام کی نوعیت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ کسی چیز کا کوئی وقت مقرر نہیں رہا تم بھی بچوں کے ساتھ ہی کھا لیا کرو۔

بیوی : ٹھیک ہے۔ آج آپ نے بتا دیا ہے تو کل سے کھا لیا کروں گی۔
شعلہ : لیکن تم نے پوچھا نہیں کہ میں دو بجے تک کہاں تھا ؟
بیوی : آپ کے کام کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ کسی چیز کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں رہا۔ (شعلہ عجیب نظروں سے دیکھتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۷ : ندرانہ کا گھر

(شعلہ اور ندرانہ نہایت ہی خوشگوار موڈ میں بیٹھے ہیں۔ ندرانہ گنگنا رہی ہے اور شعلہ سن سن کر داد دے رہا ہے۔ ملازم ٹرے میں چائے لا کر سامنے رکھتا ہے اور دونوں کو کنکھیوں سے دیکھتا ہے)

ملازم : چائے بنا دوں بی بی جی ؟
ندرانہ : نہیں ہم بنا لیں گے تم جاؤ۔ (ندرانہ گنگناتی ہے)
شعلہ : واہ واہ، سبحان اللہ۔
ندرانہ : شعلہ جی، گونج سنائی دینے لگی اپنے نام کی۔
شعلہ : ملی ہے پوری فلم کہ نہیں ندرانہ ؟
ندرانہ : فلمیں کہیے۔ اب تو زمان صاحب بھی پوری فلم گانے کے لیے کہہ رہے ہیں اور فہیم صاحب کی بھی آفر ہے۔
شعلہ : اب سب کہیں گے ندرانہ لیکن خیال رکھنا بس۔ گر کر کام نہ کرنا کبھی۔ پورے وقار اور ڈگنٹی کے ساتھ معاہدے کرو۔ اور اچھے پیسے مانگو۔
ندرانہ : اچھے پیسے مانگنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے ناں شعلہ جی۔
شعلہ : آ گیا ہے وقت ندرانہ۔ تم نے ٹیک آف کر لیا ہے۔
ندرانہ : میں نے جو کچھ بھی کیا ہے یا جو کچھ بھی کروں گی اس کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے شعلہ جی۔
شعلہ : میں نے کیا کیا ہے۔ رفیع صاحب دوست تھے بات مان لی۔ لیکن اصل بات

تو ٹیلنٹس کی ہے۔

نذرانہ : لیکن حوصلہ افزائی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے ناں۔

شعلہ : دراصل میں اور تم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں نذرانہ۔ ہم دونوں کو نظر انداز کیا گیا تھا مگر اب ہم دونوں ایک ساتھ ابھرے ہیں۔ معلوم ہے میں کیا چاہتا ہوں نذرانہ؟

نذرانہ : کیا شعلہ جی؟

شعلہ : میں چاہتا ہوں کہ بول میرے ہوں آواز تمہاری اور نغمے گلی گلی گونجیں۔

نذرانہ : ایسا ہی ہوگا شعلہ جی۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

شعلہ : مکھڑا سنو نذرانہ!

(نذرانہ سراپا گوش بن جاتی ہے) (ڈزالو)

سین نمبر ۸ : کار

(نذرانہ اور شعلہ کار میں جا رہے ہیں۔ ڈرائیور کار چلا رہا ہے۔ نذرانہ دھیرے دھیرے وہی گانا گنگنا رہی ہے جو پچھلے سین میں تھا۔ شعلہ لطف اندوز ہو رہا ہے۔ نذرانہ ایک آدھ مصرعہ گنگنا کر چپ ہو جاتی ہے)

نذرانہ : پتہ ہے شعلہ جی۔ کل میں نے ایک دن میں دو گانے ریکارڈ کروائے ہیں۔

شعلہ : تم وہ دن دیکھو گی نذرانہ کہ....

نذرانہ : (کاٹ کر۔ از راہِ مذاق) کہ سو دن میں ایک گانا ریکارڈ کراؤں گی۔

شعلہ : خدا نہ کرے ایسا دن دیکھو۔ اتنے اچھے منہ سے اتنی بری بات نکالتی ہو۔

نذرانہ : مذاق کر رہی تھی۔

شعلہ : روزگار کے ساتھ۔

نذرانہ : اللہ معافی۔

شعلہ : تمہیں اندازہ نہیں تم نے ہلچل مچا دی ہے نذرانہ۔

نذرانہ : وقت وقت کی بات ہے شعلہ جی۔ مجھے ایک گانا مہینے میں ملتا تھا تو میں سمجھتی تھی کہ شاید بہت بڑی سنگر بن گئی ہوں۔

شعلہ : اور اب...؟

نذرانہ : اور اب دو گانے روز ریکارڈ کروا رہی ہوں تو محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ابھی کیریئر کا آغاز ہی کیا ہے۔

شعلہ : یہی جذبہ ترقی کی طرف لے جاتا ہے نذرانہ۔ انسان جب تک AIM اونچا رکھتا ہے ناں تو اس کی پرواز بلند رہتی ہے لیکن جب وہ نیچے دیکھتا ہے تو پھر نیچے آنا شروع کر دیتا ہے۔

نذرانہ : ہمیں تو ابھی بہت اوپر جانا ہے شعلہ جی۔ ہم نے تو ابھی بلندیاں دیکھی ہی نہیں۔ (دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

شعلہ : لیکن ہم بلندیوں کی طرف جا تو رہے ہیں۔ ایک بات کہوں نذرانہ؟

نذرانہ : کہیے شعلہ جی (ڈرائیور کی طرف دیکھ کر)

شعلہ : اچھا پھر سہی۔

نذرانہ : کہئے نا۔

شعلہ : نہیں پھر کبھی (گاڑی رکتی ہے)

نذرانہ : جیسی آپ کی مرضی۔

(نذرانہ آہستہ سے اپنا سر شعلہ کے کندھے کے ساتھ لگا دیتی ہے) (کٹ)

سین نمبر ۹ : شعلہ کا بیڈ روم

(بیوی سگریٹ ایش ٹرے جو ٹکڑوں سے بھری ہوئی ہے جھاڑتی ہے۔ شعلہ برابر میں پلنگ پر بیٹا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا ہے وہ ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگاتا ہے اور پوچھتا ہے)

شعلہ : تم نوٹس نہیں لے رہی ہو۔

بیوی : کس بات کا؟

شعلہ : اِس بات کا کہ میں نے بہت زیادہ سگریٹ پینے شروع کر دیئے ہیں۔

بیوی : یہ کوئی نوٹس لینے والی بات ہے؟

شعلہ : کیوں نہیں ہے؟ پہلے میں مشکل سے ایک پیکٹ روز کا پیتا تھا اب تقریباً پانچ پیکٹ پھونک ڈالتا ہوں۔

(بیوی باتیں کرتے کرتے ریڈیو کی نوب گھما دیتی ہے ریڈیو پر فرمائش ہو رہی ہے)

بیوی : پھر کیا ہوا پہلے ہم مہینے میں کہیں ایک بار گوشت کھاتے تھے اب ناغے کے دن کے لیے بھی مرغی فریج میں بھر دیتے ہیں۔

شعلہ : سگریٹ کا مرغی اور گوشت سے کیا تعلق ہے؟

بیوی : کوئی تعلق نہیں۔

شعلہ : اگر کوئی تعلق نہیں تو تمہیں جواب میں یہ کہنا چاہیئے تھا کہ شعلہ جی آپ سگریٹ بہت زیادہ پیتے ہیں یہ آپ کی صحت بگاڑ دیں گے۔

بیوی : شعلہ جی آپ سگریٹ بہت زیادہ پینے لگ گئے ہیں یہ آپ کی صحت بگاڑ دیں گے۔ (دفعتاً ریڈیو پر اناؤنسر کی آواز ابھرتی ہے)

ریڈیو : لیجئے اب آپ سب اپنی فرمائش پر فلم پیار کا یہ گیت سنیئے۔ آواز نذرانہ کی ہے اور بول لکھے ہیں شعلہ نے۔

(بیوی اور شعلہ کی نگاہ ایک لمحہ کے لیے ملتی ہے۔ شعلہ کا ری ایکشن۔ کٹ)

سین نمبر ۱۰ : <u>ہوٹل کا کیبن</u>

(شعلہ اور نذرانہ ایک پوش قسم کے کیبن میں بیٹھے کچھ سوپ وغیرہ پی رہے ہیں دونوں چپ چاپ اور خاموش ہیں اور کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ویٹر آتا ہے اور آگر آہستہ سے پانی کے گلاس رکھ کر چلا جاتا ہے۔ پھر شعلہ نگاہ اٹھا

کے ندرسانہ کی طرف ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگتا ہے اور پھر ندرسانہ بھی نگاہ اٹھاتی ہے اور خاموشی توڑ کر کہتی ہے)

ندرسانہ : میں سوچ کر جواب دوں گی شعلہ جی۔

شعلہ : اور کتنا سوچو گی ندرسانہ؟

ندرسانہ : شادی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر جتنا بھی سوچا جائے کم ہے۔

شعلہ : شادی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر جتنا بھی سوچا جائے فضول ہے۔

ندرسانہ : تو کیا آنکھیں بند کر کے چپ چاپ شادی کے کنوئیں میں چھلانگ لگا دینی چاہیئے۔

شعلہ : شادی ایسا کنواں ہے کہ جس میں ایک نہ ایک دن چھلانگ لگانی پڑتی ہے ندرسانہ۔ وقت ضائع مت کرو۔ اب کیا سوچ رہی ہو تم؟

ندرسانہ : کچھ رکاوٹیں ہیں شعلہ جی۔

شعلہ : پروڈیوسر عظمت؟

ندرسانہ : یہ بات نہیں شعلہ جی۔ آپ سے زیادہ میں کسی کو اہمیت کیوں دینے لگی۔

شعلہ : تو پھر کیا بات ہے؟

ندرسانہ : مجھے کچھ سوچ لینے دیں اور آپ بھی سوچ لیں!

شعلہ : تم کیا سمجھتی ہو میں فیصلہ پہلے کرتا ہوں اور سوچتا بعد میں ہوں؟

ندرسانہ : محبت کے فیصلے ایسے ہی ہوتے ہیں کبھی کبھی محبت سوچ پر غالب آجاتی ہے شعلہ جی۔

شعلہ : میں اتنا بتا دوں کہ شو بزنس کی دنیا میں ہماری شادی ایک مثالی شادی ہوگی۔ ہم اب بھی کامیاب ہیں اور شادی کر کے بھی کامیاب ہوں گے۔ ہم دونوں لازم و ملزوم ہو گئے ہیں ندرسانہ۔

ندرسانہ : میں جانتی ہوں۔ پھر بھی مجھے تھوڑی سی مہلت دیں

(کٹ)

سین نمبر ۱۱ : نذرسانہ کا گھر

نذرسانہ کا باپ : مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے شادی تمہیں کرنی ہے۔ زندگی تمہیں گزارنی ہے تم اپنا نفع نقصان اچھی طرح دیکھ لو کہ آیا شعلہ ٹھیک ہے یا ظفر مناسب ہے یا دونوں میں سے کوئی بھی مناسب نہیں یہ سب کچھ تم دیکھ لو۔

نذرسانہ : آپ بھی تو کچھ بتائیں ابا جی۔ شعلہ جی سے ہماری بہت انڈرسٹینڈنگ ہو گئی ہے

باپ : سچی پوچھو تو میرا ووٹ بھی شعلہ کی طرف ہے۔ پکی عمر کا آدمی نو عمر بیوی کے لیے بڑا مفید وفادار اور دم ہلانے والا ثابت ہوتا ہے پھر تمہارا اس کے ساتھ نام بھی اچھا چل رہا ہے۔ کامیاب بھی ہے آدمی بھی ٹھیک ہے مگر کباب کتنا ہی اچھا اور لذیذ ہو ہڈی پھر ہڈی ہوتی ہے وہ شادی شدہ ہے

نذرسانہ : یہی میں سوچ رہی ہوں۔

باپ : اور یہی بڑی گڑبڑ ہے (کٹ)

سین نمبر ۱۲ : ہوٹل کا کیبن

شعلہ : کوئی گڑبڑ نہیں ہے نذرسانہ۔ آخر لوگ دوسری شادی بھی تو کرتے ہیں۔

نذرسانہ : لیکن دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینی پڑتی ہے شعلہ جی

شعلہ : میں بیوی سے اجازت لوں گا نذرسانہ۔ بغیر اجازت کے تو شادی نہیں ہو گی۔

نذرسانہ : اور اگر اس نے اجازت نہ دی تو؟

شعلہ : وہ کیوں نہیں اجازت دے گی۔ میں نے ہر طرح سے اسے آرام پہنچایا ہے اس کے حقوق کا خیال رکھا ہے۔ اس کے حقوق کا خیال رکھوں گا۔

نذرسانہ : لیکن فرض کیجیے آپ کی بیوی اجازت نہیں دیتی تو؟

شعلہ : تو میں اسے طلاق دے دوں گا۔ تم ہاں تو کرو۔

(نذرسانہ ایک لمحہ دیکھتی رہ جاتی ہے)

نذرانہ : ہاں۔
شعلہ : (کندھے پکڑ کر) او نذرانہ، نذرانہ، نذرانہ۔
نذرانہ : لیکن پہلے آپ اپنی بیوی سے اجازت لے لیں (شعلہ نذرانہ کا ہاتھ تھام لیتا ہے)
(کٹ)

سین نمبر ۱۳ : کھانے کی میز

شعلہ کی بیوی : کھانا کیوں نہیں کھا رہے آپ؟
شعلہ : میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔
بیوی : پیٹ میں تو درد نہیں ہے ناں کھانا کھائیے۔ کھانے نے کیا بگاڑا ہے؟
شعلہ : یہ فضول کا مذاق مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میرے سر میں درد ہے۔
بیوی : (گولی دیتی ہے) سر درد کی گولی کھالیں۔
شعلہ : نہیں مجھے نہیں چاہیے گولی۔
بیوی : میں سر دبائے دیتی ہوں۔
شعلہ : (ہاتھ ہٹا کر) مجھے یہ چونچلے اچھے نہیں لگتے۔
بیوی : تو پھر کیا بات اس وقت آپ کو اچھی لگے گی؟
شعلہ : (سنجیدگی سے) ساجدہ! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔
بیوی : تو پھر کہئے ناں۔ بات کہنے کے لیے اپنا موڈ کیوں خراب کر رہے ہیں آپ؟
شعلہ : بات یہ ہے ساجدہ کہ.... بات یہ ہے کہ۔ دیکھو میں نے کبھی تمہیں پریشان نہیں کیا ہے۔
بیوی : کبھی میں نے کہا؟
شعلہ : میرا مطلب ہے کہ اچھی زندگی گزارنے کے لیے آدمی کو کافی سمجھوتے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ پھر میں ایک دماغی کام کرنے والا آدمی ہوں۔ مجھے سکون کی ضرورت ہے۔

بیوی : سکون ؟ (خاموشی چھا جاتی ہے)

شعلہ : میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ۔ میرا مطلب ہے کہ میرا مطلب ہے تم وعدہ کرو کہ میں جو کچھ کہوں گا تم مانو گی میرا مطلب ہے انکار نہیں کرو گی۔

بیوی : کبھی میں نے کسی کام سے انکار کیا ہے ؟

شعلہ : کبھی میں نے تم سے اتنی بڑی بات کہی بھی تو نہیں ہے۔

بیوی : اب کہہ دیں۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ ؟

شعلہ : میں.... میں.... میں اور نندرسانہ.... میرا مطلب ہے....

بیوی : شادی ؟

شعلہ : (کھل کر سانس لیتے ہوئے) ہاں میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔

بیوی : اس بات کے لیے آپ کھانا نہیں کھا رہے تھے کھانا کھا لیں آپ۔
(بیوی ٹس سے مس نہیں ہوتی)

شعلہ : میں میں تمہیں ہر طرح سے خوش رکھوں گا۔ تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہوگی تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ تمہیں....

بیوی : آپ کیوں اس طرح صفائی پیش کر رہے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ کھانا کھا لیں آپ۔

شعلہ : (حیرت سے) یعنی تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے ؟

بیوی : نہیں۔

شعلہ : (حیرت سے) کوئی شکایت نہیں ہے ؟

بیوی : نہیں۔

شعلہ : تم نے اجازت دے دی ؟

بیوی : ہاں ! (شعلہ کے تاثرات۔ کٹ)

سین نمبر ۱۴ : ہوٹل کا کیبن

ندیرانہ : تعجب ہے ؟

شعلہ : اس نے تو ماتھے پر شکن تک نہیں آنے دی بلکہ میری تسلی کے لیے اس نے کورے کاغذ پر دستخط کر کے دے دیئے ہیں کہ جو مرضی ہے لکھ لوں۔ یہ دیکھو کاغذ۔

ندیرانہ : نارمل بیوی نہیں ہے۔

شعلہ : کیا مطلب ؟

ندیرانہ : شعلہ جی وہ نارمل بیوی نہیں ہے۔

شعلہ : لیکن ؟

ندیرانہ : اگر میں اس کی جگہ ہوتی شعلہ جی تو پتہ ہے کیا کرتی ؟

شعلہ : کیا کرتی ؟

ندیرانہ : میں آپ سے طلاق لے لیتی۔

شعلہ : لیکن.... ؟

ندیرانہ : (کاٹ کر) لیکن جو سچویشن ہے نہیں اس کا دکھڑا کیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ معاملہ اس قدر آسانی سے طے ہو گیا ہے شعلہ جی !

(شعلہ کے تاثرات۔ کٹ)

سین نمبر ۱۵ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس میں گہما گہمی ہے۔ مجو کی میز)

ایجنٹ : شکر ہے تم بچ گئے ہو مجو۔ ورنہ اس مرتبہ تو بغیر بھیجے کے گئے تھے۔

ایکٹر : لیکن تم بچ کیسے گئے استاد، لوگ کہتے ہیں کہ گولی اندر اور دم باہر ہو جاتا ہے

مجو : لوگ ٹھیک کہتے ہیں میری گولی باہر ہو گئی اور دم اندر رہ گیا۔

(قہقہہ)

(شعلہ کی میز)

(شعلہ بہت پریشان ہے)

سنگر : یار شعلہ صاحب! ہم دونوں نے ایک ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسم کھائی تھی لیکن تم مجھے چھوڑ گئے۔ آج بھی میں وہیں ہوں اور تم آسمانِ شہرت کے عروج پر چلے گئے ہو۔

شعلہ : یار سلیم! میں اِس وقت بہت پریشان ہوں۔

سنگر : اپنی پریشانیاں مجھے دے دو شعلہ۔

(نجمی کی میز)

صحافی : معلوم ہوتا ہے شعلہ صاحب سب کچھ پا لینے کے بعد تنہا ہو گئے۔

بسحانی : بورژوا سوسائٹی میں جس کو سب کچھ پا لینا کہتے ہیں وہ دراصل سب کچھ کھو دینا ہوتا ہے۔

صحافی : بکواس

رمضو : (پانی رکھتے ہوئے شعلہ کو دیکھ کر) میں تو اتنا جانتا ہوں صاحب کہ شعلہ صاحب کے بادو بیات کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔

(شعلہ کی میز)

نجمی : کیا بات ہے شعلہ صاحب؟

شعلہ : نجمی صاحب! میں ایک دوراہے پر کھڑا ہوں۔

نجمی : یہ کوئی بات نہیں ہر انسان کو کبھی نہ کبھی دوراہے پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

شعلہ : آپ کو کبھی دوراہے پر رکنا پڑا ہے نجمی صاحب؟

نجمی : کئی بار

شعلہ : ایسی صورت میں آپ کیا کرتے ہیں۔

نجمی : میں دوراہے سے گزر جاتا ہوں۔ آپ بھی گزر جائیے شعلہ صاحب۔

شعلہ : کس طرف؟

بخشی : جس طرف آپ کو اپنی منزل دکھائی دے گذر جائیے۔ زیادہ دیر دوراہے پر کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۶ : ندرانہ کا گھر

(عظمت، ندرسانہ اور ندرانہ کا باپ)

ندرسانہ کا باپ : گومگو میں مت رہو ندرانہ۔ جس طرح عظمت صاحب کہتے ہیں جلدی سے فیصلہ کر لو۔

ندرسانہ : میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ شادی...

عظمت : (کاٹ کر) شادی آرٹسٹ کی موت ہے ندرانہ۔ میں تمہیں سنگر سے ہیروئن بنا رہا ہوں۔

ندرانہ : مجھے سوچنے دیں عظمت صاحب۔

عظمت : اچھی طرح سوچ لو اور یہ بھی سوچ لو کہ گانا گانے کے لیے پوری عمر ہے تمہیں لیکن ہیروئن بننے کے لیے یہی دو سال ہیں تمہارے پاس۔

ندرانہ : لیکن عظمت صاحب! میں اور شعلہ....

عظمت : بھول جاؤ شعلہ کو ندرانہ۔ تمہاری منزل شعلہ نہیں۔

ندرانہ : لیکن میں شعلہ کی منزل ہوں۔

عظمت : غلط۔ شعلہ کی منزل اس کی بیوی اور بچے ہیں۔ تم دونوں کی منزلیں جدا ہیں۔ سوچ لو اچھی طرح۔

ندرانہ : آخری فیصلہ تو شعلہ جی کا ہوگا عظمت صاحب! (کٹ)

سین نمبر ۱۷ : آؤٹ ڈور۔ کار

(کار فراٹے بھرتی آ رہی ہے۔ شعلہ عقبی سیٹ پر بیٹھا خیالات میں گمن ہے۔ ریڈیو پر ندرسانہ کا کوئی سحر انگیز گیت ہو رہا ہے۔ شعلہ کے چہرے پر ندرسانہ کی

تصویر ابھرتی ہے۔ نادِ سانہ کی تصویر کے اوپر اس کی بیوی کی تصویر ابھرتی ہے۔ پھر ندِ سانہ کی تصویر ابھرتی ہے۔ شادی کا ہلکا سا میوزک بلند ہوتا ہے اور اچانک ٹوٹ جاتا ہے)

شعلہ : گاڑی ادھر موڑ لو۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۸ : شعلہ کا گھر

(پلنگ پر بچے سو رہے ہیں۔ شعلہ ایک بچے کی پیشانی چومتا ہے دوسرے کے بالوں میں پیار سے کنگھی کرتا ہے اور پھر آرام کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ معاً بیوی کی آواز آتی ہے)

بیوی : آج گانے کی ریکارڈنگ کینسل ہو گئی کیا؟

شعلہ : (اداسی سے) نہیں ہو رہی ہے۔

بیوی : آپ کیوں لوٹ آئے؟

شعلہ : میں گیا ہی نہیں۔

بیوی : کیوں؟

شعلہ : بس ذرا سر میں درد تھا۔

بیوی : دوا کھائیں گے؟

شعلہ : نہیں، ذرا میرا سر دبا دو۔ (بیوی سر دبانے لگتی ہے)

بیوی : آرام سے ٹیک لگا لیں۔

شعلہ : ساجدہ! میں نے۔ میں نے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں۔ میں...

بیوی : (لقمہ دیتی ہے) دوسری شادی نہیں کریں گے۔

شعلہ : ہاں۔ اب تو تم خوش ہو ناں؟

بیوی : نہیں۔

شعلہ : (حیرت سے) کیوں! کیوں خوش نہیں ہو تم؟

بیوی : اِس لیے کہ آپ خوش نہیں ہیں۔

شعلہ : اوہ ساجدہ!

(وہ ساجدہ کو اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہے)

(اختتام)

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

عنڈہ مجو (مرکزی کردار) __________ وارثی
مجو کی بہن __________ زرین گل
مجو کی ماں __________ شہزادی
شیخ __________ نورالعین ندیم

بجنی اور کافی ہاؤس کے مستقل کرداروں کے علاوہ
چند دوسرے

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخن ورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

غالب

سین نمبر ۱ : مجو کا گھر

(مجو ٹھاٹھ سے دروازہ کھول کر تیز تیز اور خوش خوش گھر میں داخل ہوتا ہے اس نے کئی لفافے اور سامان اٹھا رکھا ہے۔ وہ یہ سامان خوش خوش انداز میں میز پر رکھتا ہے اور بولتا جاتا ہے)

مجو : یہ لو اماں! یہ سموسہ ہے۔ یہ پیسٹری ہے۔ اس میں دال سیو ہے اور اس کے اندر کیک ہے فسٹ کلاس کیک لایا ہوں۔ خوب کھلاؤ، خوب خاطر کرو ان لوگوں کی ہاں۔ اور اس کے اندر وہ ہے وہ کیا بولتے ہیں اس کو ۔ ارے یہ کیا ۔ یہ کیا ۔ یہ کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو ۔ ہوں ——

(بہن سے محبت کے ساتھ) ماں! یہ ایسے کیوں دیکھ رہی ہے۔ یہ میری گونگلو سی بہن نے منہ کیوں پھلا لیا ہے۔ پگلی تجھے تو خوش ہونا چاہیئے یہ خوشی کی بات ہے۔ پہلی پہلی ملاقات ہے۔ پہلی پہلی بات ہے۔ تیری سسرال والے تجھے ایسے منہ پھلا کے دیکھیں گے تو بولیں گے.....

ماں : (بات کاٹ کر) مجو چپ کرو خدا کے واسطے۔

مجوّ : اماں! کیا ہو گیا ماں جی؟

ماں : وہ لوگ نہیں آ رہے ہیں مجوّ!

مجو : نہیں آ رہے ہیں۔ کیوں ؟

(ماں خاموش رہتی ہے)

مجو : (گرج کر) کیوں ماں۔ کیوں نہیں آ رہے ہیں ؟

ماں : اس لیے کہ زلیخا ایک غنڈے کی بہن ہے۔

(ماں کے تاثرات، بہن کے تاثرات۔ مجو کے تاثرات)

(میوزک کٹ)

ٹائیٹل (کٹ)

سین نمبر ۲ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس عروج پر ہے۔ اپنی اپنی میزوں پر اپنی اپنی چوکڑیوں میں لوگ مصروف ہیں)

آرٹسٹ : (سنگر سے) کافی پلاؤ سلیم میاں!

سنگر : گانا سن لو۔

آرٹسٹ : یار حد ہو گئی۔ میں کہتا ہوں کافی پلاؤ۔ یہ کہہ رہا ہے گانا سن لو۔

سنگر : کافی کہاں سے پلاؤں۔ پیسے نہیں ہیں پاس۔

آرٹسٹ : لیکن جب یہ بات اسٹبلش ہو چکی ہے کہ آپ بور ہیں تو پھر جیب میں پیسے رکھ کر کیوں نہیں آتے ؟

(سب ہنستے ہیں) (کٹ)

کاؤنٹر

(رمضو کیشیر کو گھڑی دکھاتا ہے)

رمضو : سلمان صاحب نے دی ہے یہ گھڑی۔

کیشیر : کاہے کے لیے ؟

رمضو : کہہ رہے ہیں بابو سے پوچھو کیسی گھڑی ہے ؟

کیشیر : (گھڑی دیکھ کر) ارے اک دم فضول گھڑی ہے یہ۔

رمضو : کہہ رہے ہیں اگر فضول گھڑی ہو تو ایک کافی لے آنا اس کی۔ کافی میں تو مہنگی نہیں ہے؟

کیشیئر : سلمان صاحب بھی مسخرے ہیں ایک دم۔ (کٹ)

(دوسری میز)

(مجو اپنے سر کو انگلیوں کی پوروں سے دبا رہا ہے۔ وہ شدید اضطراب اور بے چینی میں ہے اور ٹوٹ کر بول رہا ہے)

نجمی : کیا بات ہے مجو۔ مجو۔ اے مجو، کیا بات ہے بیٹے!

مجو : میرے سر میں کیڑے دوڑ رہے ہیں نجمی صاحب!

نجمی : لیکن بات کیا ہے مجو، پریشانی کا سبب کیا ہے؟

مجو : (ٹوٹ کر) نجمی صاحب! میں غنڈہ کیوں ہوں، مجھے بتائیں میں غنڈہ کیوں ہوں؟

نجمی : کون کہتا ہے تم غنڈے ہو!

مجو : سب کہتے ہیں میں غنڈہ ہوں۔

نجمی : فضول بات ہے۔ کس نے کہا ہے؟

مجو : میری بہن کا رشتہ ٹوٹ گیا ہے صرف اس لیے کہ میں غنڈہ ہوں اور یہ تیسری دفعہ ہوا ہے تیسری دفعہ۔ لوگ پہلے مجھے اور پھر میری بہن کو دیکھتے ہیں۔ میں اگر غنڈہ ہوں تو اس میں میری بہن کا کیا قصور ہے نجمی صاحب؟

نجمی : کون صاحب ہیں جنہوں نے ایسی بات سوچی ہے۔ مجھ سے ملواؤ۔ میں انہیں مطمئن کروں گا مجو۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔ مجھے ان صاحب سے ملواؤ تم۔

مجو : نہیں نجمی صاحب، میں پہلے خود ان سے ملوں گا۔

(مجو اٹھ کر تیز تیز جاتا ہے)

نجمی : مجو! سنو مجو!

(مجو کافی ہاؤس سے باہر نکل جاتا ہے۔ شعلہ آ کے بیٹھتا ہے۔ اس نے مجو کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ نجمی پریشانی کا اظہار کندھوں سے کرتا ہے (کٹ)

سین نمبر ۳ : مکان

(ایک مناسب سا جنرل اسٹور ہے جس کی عقب کی ایک الماری اور سامنے کا کاؤنٹر دکھائی دے رہا ہے۔ الماری میں کچھ ڈبے اور بوتلیں وغیرہ ہیں اور کاؤنٹر پر ایک ترازو رکھا ہوا ہے۔ ترازو کے ایک پلڑے میں کوئی باٹ رکھا ہوا ہے جس کے سبب باٹ والا پلڑا کاؤنٹر پر اور دوسرا اوپر کی طرف اٹھا ہوا ہے اور اسٹور کا مالک کچھ حساب کتاب کلوز کر رہا ہے۔ معاً اسٹور کے دروازے پر دستک ہوتی ہے اور دروازہ تھوڑا سا کھلتا ہے۔ شیخ دستک سن کر سر اٹھاتا ہے)

شیخ : بند ہے بھئی۔ دکان بند ہو گئی ہے (معاً مجو کو دیکھ کر) اوہ تم میرا خیال ہے

مجو : میں مجو ہوں مجو۔ زلیخا کا بھائی۔ آپ کا بیٹا کدھر ہے شیخ صاحب؟

شیخ : وہ تو چھٹی کر کے گھر چلا گیا ہے۔ لیکن . . . .

مجو : اسے بلاؤ یہاں۔ میں نے پہلے تو اسے نہیں دیکھا تھا پر اب دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ چیز کیا ہے؟ آج میں اسے غور سے دیکھوں گا۔ بلاؤ شیخ صاحب!

شیخ : خفا نہ ہو نا۔ ٹھنڈے دل سے بات کرو۔ غصہ حرام ہے مجو!

مجو : (کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر) تم جو کچھ کرو وہ حلال ہے اور ہم جو کچھ کریں وہ حرام ہے۔ کدھر ہے وہ لڑکا کدھر ہے؟ اس سے کہو سامنے آ کر بات کرے۔

شیخ : دیکھ مجو، لڑکے کا کوئی قصور نہیں، لڑکے کے لیے رشتے ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہ نہیں دیکھ رہا ہے فیصلے ہمارے ہیں اس کے نہیں۔

مجو : (گریبان پکڑ کر) تو پھر تم نے میری بہن میں کیا خرابی دیکھی؟

شیخ : (گریبان چھڑا کر) دیکھو تمہاری بہن میں ہم نے کوئی خرابی نہیں دیکھی مگر خفا نہ ہونا شادی بیاہ کے رشتے جوڑنے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں ان پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ آدمی رشتہ کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کر لیتا ہے ہم نے تمہاری اماں سے بھی کہا تھا کہ وہ بھی اچھی طرح دیکھ بھال لے۔ ہم بھی اچھی طرح دیکھ بھال لیں گے۔ یہ تو مرضی کے سودے ہوتے ہیں زبردستی

کے نہیں۔

مجو : کیا اچھی طرح دیکھ بھال کی آپ نے ؟ اور کیا دیکھا ہے ؟

شیخ : بس یہی ہوتا ہے ناں۔ آدمی ایک دوسرے کے اڑوس پڑوس سے پوچھتا ہے کہ لوگ کیسے ہیں کیا کرتے ہیں ؟ یہی طریقہ ہے دنیا کا۔

مجو : کیا بتایا پڑوسی نے ہمارے بارے میں ؟

شیخ : خفا نہ ہونا۔ میرا بیٹا کیسا بھی سہی اگر میں لچا لفنگا ہوں گا تو تم بھی میرے بیٹے کے لیے حامی بھرنے سے پہلے دس وخت سوچو گے۔

مجو : اس کا مطلب ہے میں لچا لفنگا ہوں۔

شیخ : خفا نہ ہونا۔ میں تمہیں نہیں جانتا تھا پہلے۔ میں تو اڑوس پڑوس میں ہی پوچھ کر معلومات حاصل کی۔ اسی پر یقین کیا۔ پڑوسی کا حق . . . .

مجو : (گرج کر) میں پوچھتا ہوں کیا کہا ؟ میرے اڑوس پڑوس نے میرے بارے میں ؟

شیخ : خفا نہ ہونا۔ سب نے کہا مجو تو ایک . . .

مجو : (جملہ مکمل کرتا ہے) غنڈہ ہے۔ ہیں۔ یہی کہا میں غنڈہ ہوں۔ کس نے کہا ہے ؟

شیخ : سب نے کہا ہے۔ وہ جو تمہارے سامنے والے ملک صاحب ہیں۔ میں پہلے ان کے پاس گیا تھا۔ (کٹ)

(ملک صاحب کا گھر)

ملک صاحب : فرمائیے۔

شیخ : خفا نہ ہونا ملک صاحب ! یہ سامنے جو بیری والے درخت کے سامنے مکان ہے ناں چھ نمبر یہاں میں اپنے بیٹے کا رشتہ کر رہا ہوں وہ بوڑھی زرینہ کی بیٹی۔

ملک صاحب : مجو کی بہن ؟

شیخ : ہاں ہاں اس کے بھائی کا نام مجو ہے کیسے لوگ ہیں یہ ؟

ملک صاحب : لوگ ارے میاں صاحب ! وہ اِس علاقے کا نامی گرامی غنڈہ ہے چڑیاں کانپتی ہیں اس کے نام سے۔

(کٹ کر کے پھر دوکان میں آتے ہیں)

سین نمبر ۴ : (دوکان)

شیخ : خفا نہ ہونا۔ جو کچھ ملک صاحب نے کہا میں نے تجھے بتا دیا۔

مجو : یہ ملک صاحب نے کہا ہے کہ میں غنڈہ ہوں۔ ہاں جانتا ہوں اس ملک صاحب کو (سوچتا ہے) میں بتاتا ہوں تمہیں یہ ملک صاحب خود کیا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۵ : (گلی۔ رات کا وقت)

(نوکرانی ہانپتی کانپتی ہوئی بھاگتی آتی ہے کہ اچانک سامنے مجو آجاتا ہے مجو کو دیکھ کر گھبرا جاتی ہے۔ وہ بیچ گلی کے کھڑی ہو کر تھر تھر کانپنے لگتی ہے۔ پیچھے دیکھتی ہے تو ڈرتی ہے آگے جائے تو مجو ہے وہ انتہائی گھبراہٹ میں ہے)

نوکرانی : (کانپتے ہوئے) نہیں، نہیں، نہیں۔

مجو : گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں بہن، کیا بات ہے؟

نوکرانی : مجو، مجھے بچاؤ، تم نے بہن کہا ہے تو مجھے بچاؤ۔

مجو : تم جانتی ہو مجھے؟

نوکرانی : تمہیں کون نہیں جانتا؟

مجو : تم کون ہو؟

نوکرانی : میں ملک صاحب کی نوکرانی ہوں۔ بیگم صاحبہ اور بچے گھر پر نہیں ہیں۔

مجو : کون ہے گھر میں؟

نوکرانی : مم م مم ملک صاحب۔ ملک۔ مجھے بچاؤ۔

مجو : میں سمجھ گیا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔ (کٹ)

سین نمبر ۶ : (ملک کا گھر)

(نوکرانی داخل ہوتی ہے تو ملک ڈرا سہما اور شیطانی جذبات سے مغلوب سامنے آتا ہے)

ملک : (للچا کر) یہ کیا طریقہ ہے جی۔ ہم سے ڈرتی کیوں ہو؟ ہم کوئی کھا جائیں گے

ہیں - ادھر آؤ - آؤ -

(معاً مجو وارد ہوتا ہے)

مجو : ملک - ک ک

ملک : (خوفزدہ ہو کر) ت ت ت تم - تم میرے گھر میں کیسے گھس آئے ہو؟

(کٹ کٹ کٹ چاقو کھولتا ہے)

مجو : تیری شامت مجھے لے آئی ہے ملک -

ملک : نہ نہ نہ ـــ نہ نہ ـــ مجو ـــ نہ نہ

مجو : یہ تیری بیٹی کے برابر ہے ملک - میں نے آج تک کوئی خون نہیں کیا ہے لیکن آج میرے ہاتھ شاید تمہارے خون سے رنگ جائیں گے -

(مجو چاقو پیٹ میں دباتا ہے)

ملک : نہ نہ مجو معاف کر دو - میری عزت کا سوال ہے -

مجو : اور اس کی عزت ملک ؟

ملک : اس کی بھی عزت کا سوال ہے مجو! مجھے معاف کر دو - اِنسان ہوں غلطی ہو گئی ہے بھول سکتا ہے اِنسان شیطان ورغلا سکتا ہے اِنسان کو - معاف کر دو، مجھے معاف کر دو - معاف کر دو -

مجو : معافی اپنے اللہ سے مانگو - اور معافی اِس معصوم سے مانگو - اس سے مانگو معافی -

ملک : (تو کرانی سے) معاف کر دو مجھے -

مجو : (چاقو دبا کر کھلواتا ہے) کہو بیٹی -

ملک : بیٹی معاف کر دو مجھے - (کٹ کر کے دوکان پر آتے ہیں)

سین نمبر ۷ : (دوکان)

مجو : ملک ملک نے کہا ہے کہ میں غنڈہ ہوں - میں ...

شیخ : بالکل کہا ہے مجو - ورنہ میں کیوں کہتا ؟

مجو : اور کس نے کہا ہے ؟

شیخ : خفا نہ ہونا اور بھی کہا ہے ۔تسلی کرنا میرا فرض تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی کہہ دے کہ ہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ میں تمہارے سامنے والے جو ہیں اسماعیل ۔ ان سے یاد اللہ نکل آئی میری۔

مجو : اسماعیل جو سپلائی کا کام کرتا ہے؟

شیخ : ہاں ہاں وہی ٹھیکیدار۔ خفا نہ ہونا۔ میں اپنی تسلی کے لیے اس کے پاس بھی گیا تھا۔ (کٹ)

سین نمبر ۸ : (اسماعیل کا گھر)

اسماعیل : آپ نے جو پوچھا ہے تو میرا فرض ہے کہ آپ کی صحیح رہنمائی کروں۔

شیخ : میں بھی چاہتا ہوں کہ مجھے ٹھیک ٹھیک پتہ چل جائے۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے اِس میں خاندان پہلے اور لڑکی بعد میں دیکھی جاتی ہیں۔

اسماعیل : مگر آپ نے جہاں معاملہ کیا ہے وہاں تو خاندان والی بات ہی کوئی نہیں ہے۔ دنگا فساد، مار پیٹ کرنے والے لوگ ہیں یہ تو ہم لوگوں کی قسمت خراب ہے کہ یہاں محلے میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ یہ رہنے کی جگہ نہیں ہے لڑکی کا بھائی اوّل درجے کا غنڈہ ہے۔ بہو بیٹیاں اس کا نام لے کر بچوں کو ڈراتی ہیں۔ اب آپ اس کی بہن سے بیٹے کا رشتہ کر رہے ہیں تو آپ کی مرضی۔

سین نمبر ۹ : (دوکان)

شیخ : خفا نہ ہونا۔ یہ اسماعیل نے بتایا ہے مجھے۔

مجو : اسماعیل نے بتایا ہے۔ ہونہہ اسماعیل، جانتا ہوں اسماعیل کو۔ اس کی تصویر بھی دیکھو۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۰ : (مجو کا گھر)

(بیوہ روتی ہوئی آتی ہے ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں۔ کندھے پکڑ کر)

بیوہ : میں سامنے رہتی ہوں احمد خاں کی بیوہ ہوں۔

مجو : میں جانتا ہوں چاچی۔ جانتا ہوں تمہیں۔ خدا کے واسطے مت رو، بات

کیا ہے؟

بیوہ : بیٹے تیرے چاچا کے فنڈ اور گریجویٹی مجھے ملی تھی ۔ دس ہزار کے قریب تھی

مجو : ہاں ہاں بات کرو ۔ ہوا کیا؟

بیوہ : میں نے ایسے ہی اٹھا کے اسماعیل کو دے دی ۔ امانت کے طور پر کہ جب ضرورت پڑے گی لے لوں گی ۔ وہ مجھے بھائیوں کی طرح لگتا تھا ۔

مجو : مگر وہ کھا گیا ہو گا ۔ آؤ میرے ساتھ ۔

(بیوہ سر ہلاتی ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۱ : (اسماعیل کا گھر)

(مجو نے اسماعیل کو لٹایا ہوا ہے اور اس کی گردن پر چھری پھیر رہا ہے اور ساتھ ہی کلمہ پڑھتا ہے)

مجو : میں اس دن کے انتظار میں تھا کہ تم کسی دن اکیلے مل جاؤ ۔ آج تمہارا فیصلہ کر دوں گا ۔ بولو ذبح کر دوں یا جھٹکا؟

اسماعیل : ٹھہرو، مجو ۔ میں قبولتا ہوں ۔ میں نے بیوہ کی رقم لی ہے مجھ سے خرچ ہو گئی تھی ۔ میں دو دن میں اسے دے دوں گا ۔ مجھ پر رحم کرو ۔ رحم کرو مجھ پر، میں ایک ایک کوڑی چکا دوں گا ۔

(بیوہ اور دو تین آدمی پردوں سے باہر آتے ہیں)

مجو : یہ آپ کے سامنے قبول گیا ہے اِس سے دن اور تاریخ مقرر کر لو کہ کب دیگا

بیوہ : خدا تمہارا بھلا کرے مجو! کاش میں نے تمہارے پاس ہی رکھوائی ہوتی ۔ مجھے کیا معلوم؟ سب کہتے تھے ۔ تم تم غنڈے ہو ۔ (کٹ)

(دکان)

مجو : ان کے علاوہ کس سے پوچھا تھا میرے بارے میں؟

شیخ : خفا نہ ہونا ۔ میں نے سوچا پڑوسی کبھی کبھی ٹھیک بات نہیں بھی بتاتے ۔ مجھے معلوم ہوا کہ لڑکی دستکاری کا کام سیکھنے کسی اسکول میں جاوے ہے ۔

مجو : جاتی تھی مگر اب نہیں جاتی۔

شیخ : بہرحال مجھے یہی بتایا گیا کہ سلائی کا کام سیکھتی ہے۔ میں پرنسپل کے پاس گیا۔ پرنسپل بڑے سلیقے والی تھی۔ اس نے بتایا.... (کٹ)

سین نمبر ۱۲ : پرنسپل کا آفس۔

پرنسپل : وہ لڑکی تو جس کا نام آپ نے بتایا ہے اچھی ہے کم از کم میں نے تو کوئی بات اس میں نہیں دیکھی۔ سیدھی سادھی کم زبان سی لڑکی ہے لیکن....

شیخ : لیکن کیا؟

پرنسپل : لڑکی کی سراؤنڈنگز....

شیخ : (کاٹ کر) خفا نہ ہونا۔ لڑکی کی کیا؟

پرنسپل : میرا مطلب ہے کہ لڑکی کا گھریلو ماحول ایٹ موسفیئر اس کا بیک گراؤنڈ کچھ مشکوک ہے ایک بہت مشہور غنڈہ کی بہن ہے وہ اور خود کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو غنڈے کی بہن بہرحال غنڈے کی بہن ہوتی ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۳ : دوکان

مجو : اس کے پاس میں بھی جا چکا ہوں۔ مجھے غنڈہ کہنے والی اس پرنسپل کو ایک دن میں نے بھی قریب سے دیکھا ہے۔

شیخ : کیا دیکھا ہے؟

مجو : اب کیا فائدہ۔ اگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں نے اسے کس حال میں دیکھا ہے اور اگر تمہارے سینے میں دل ہے شیخ تو تم لرز جاؤ گے۔ تم کبھی اپنی کسی بیٹی کو اس کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے نہیں بھیجو گے۔ یہ بتاؤ تم نے میرے بارے میں اور کس کس سے پوچھا تھا؟

شیخ : اب کیا فائدہ اس لفڑے میں پڑنے سے جس جس سے پوچھا اس اس نے یہی بتایا کہ زلیخا ایک غنڈے کی بہن ہے۔ خفا نہ ہونا۔

مجو : میں سب کچھ جانتا ہوں شیخ صاحب۔ میرا سب سے سابقہ پڑتا ہے جس

جس کا نام لو گے اس اس کو جانتا ہوں۔ یہ سب شریف لوگ ہیں۔

(باتیں کرتے کرتے مجو ترازو کے پلڑے پر سے اچانک باٹ ہٹا دیتا ہے جس کے نتیجے میں ترازو کا اگلا پاسنگ والا پلڑا دھڑ سے کاؤنٹر پر جا گرتا ہے۔ دوکان کے مالک کی ایسی کیفیت ہوتی ہے جیسے عریاں ہو گیا ہو۔ جھکے ہوئے ترازو کا کلوز شاٹ مالک کی خفت اور گھبراہٹ)

مجو : (ترازو کی طرف دیکھ کر) تم بھی شریف آدمی ہو غنڈہ تو صرف میں ہوں۔

(مالک کے تاثرات۔ گرتے ہوئے ترازو کا کلوز شاٹ) (کٹ)

سین نمبر ۱۳ : (مجو کا گھر)

(مجو کی بہن کی آنکھ سے چھم چھم آنسو گر رہے ہیں۔ ماں پریشان ہے)

مجو : اماں اس کو بول دے یہ روئے نہیں۔ لڑکی کے لیے یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں خراب ضرور ہوں پر اس کی قسمت خراب نہیں ہونے دوں گا اس سے اچھا رشتہ ملے گا اِس کو۔

ماں : کہاں ملے گا؟ یہ جہاں جائے گی وہاں تمہارا نام ساتھ جائے گا۔

مجو : کیا تم بھی مجھے غنڈہ سمجھتی ہو اماں؟

ماں : میرے تو بیٹے ہو جو کچھ بھی ہو بیٹے ہو لیکن میں لوگوں کی زبان کس طرح بند کروں۔ وہ مجھے ایک غنڈے کی ماں اور اسے ایک غنڈے کی بہن سمجھتے ہیں میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم جو کچھ بھی ہو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ میرے سینے میں تمہارا دکھ اور درد ہے اگر کسی ماں کو شریف اچھا لگتا ہے تو مجھے تم غنڈے پیارے ہو لیکن میں اس سر جلی کو کیا کروں کہ جس پر تمہارے نام کی مہر لگی ہوئی ہے۔

مجو : بار بار غنڈہ مت کہہ اماں مت کہہ۔ میں جانتا ہوں تجھے بیٹی کا روگ ہے

ماں : بیٹی کا بھی روگ اور بیٹے کا بھی۔ بتا میں اس کے ماتھے سے تیرے نام کی شہرت کیسے مٹاؤں۔

مجو : اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا اماں اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔
(بہن سے) تیری ہچکی کیوں بند نہیں ہوتی؟ (قدرے بلند آواز میں) ہیں کیا مصیبت پڑ گئی ہے تجھے۔ مجھے رو رہی ہے یا شادی کے لیے رو رہی ہے تو کیا ہو گیا ہے تجھے؟

بہن : (لپٹ جاتی ہے) بھیا!

مجو : (دلاسہ دے کر) مت رو میری بہن۔ چپ ہو جا۔ چپ چپ چپ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب تجھے غنڈے کی بہن اگر کسی نے کہا ناں۔۔۔ (لہجہ نرم کر کے) کوئی نہیں کہے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب تجھے غنڈے کی بہن کوئی نہیں کہے گا زلیخا۔ میں نوکری کروں گا۔ مزدوری کروں گا پتھر اٹھاؤں گا۔ لکڑی کاٹوں گا جو کام مجھے ملے گا کروں گا۔ تیرے لیے صرف تیرے لیے میری بہن پھر تجھے کوئی غنڈے کی بہن نہیں کہے گا۔ ہاں۔ چپ۔ چپ چپ چپ (کٹ)

سین نمبر ۱۴ : (گیٹ)

(گیٹ پر تختی ہے جس پر لکھا ہے "داخلہ ممنوع ہے" مجو چوکیدار کی یونیفارم پہنے گیٹ پر پہرہ دے رہا ہے۔ وہ تھوڑی دیر مستعد ہو کر گیٹ پر کھڑا رہتا ہے کہ ایک جانب سے دوسرا چوکیدار آتا ہے)۔

چوکیدار : ہُوکنا

مجو : آؤ۔ آؤ خان

چوکیدار : تم نوا چوکیدار ہے ادھر؟

مجو : ہاں خان ہم نوا ہے۔

چوکیدار : ہم ادھر پیچھے گیٹ پر ہوتا ہے۔ ابھی چھٹی کیا۔

مجو : ہماری تو ابھی ڈیوٹی شروع ہوئی ہے۔

چوکیدار : کیا نام ہے آپ کا؟

مجو : عبدالمجید، چوکیدار عبدالمجید۔

چوکیدار : کتنا دلبر جان ۔ کبھار کبھار اچھا لگا یا ہے ؛

مجو : (کندھے ہلا کر) وقت وقت کی بات ہے ہو جائے گا گزارا ٹھیک ہے پگار ۔

چوکیدار : ٹیک اے ۔ ٹیک اے ۔ کبھار اچھا ہے ادھر پر ابھی منگا بوت ہے ۔

مجو : مہنگائی تو ہے پر اللہ مالک ہے ۔ کام چل جاتا ہے ۔

چوکیدار : (نسوار کی ڈبیا نکال کر) نسوار لیتو ۔

مجو : (انکار کرتا ہے) مہربانی ۔

چوکیدار : کوئی کھدمت مدمت ہو تو بتاؤ ۔

مجو : بہت شکریہ دلبر جان ۔ بڑی مہربانی ۔

(اچانک ایک افسر سامنے سے گزر جاتا ہے ۔ چوکیدار اٹنشن ہو کر سلیوٹ کرتا ہے ۔ مجو بھی چوکیدار کی تقلید میں اسی طرح سلیوٹ کرتا ہے افسر سر ہلا کر سامنے سے گزر جاتا ہے)

چوکیدار : اچھا عبدالمجید خاں ام جاتی خدا حافظ ۔

مجو : اچھا دلبر خاں ۔

(چوکیدار چلا جاتا ہے ۔ دو اوباش نوجوان گیٹ کے پاس آن کھڑے ہوتے ہیں اور گیٹ کی جھریوں سے اندر جھانکنے لگتے ہیں)

مجو : ہاں بھئی چلو یہاں سے ۔

پہلا جوان : (سختی سے) کیا چلو یہاں سے ۔

مجو : چلو بھئی ادھر سے آگے چلو ۔

دوسرا جوان : او کیا چلو چلو لگا رکھی ہے ۔ ہم کوئی تیریاں گھڑیاں کھوتے ہیں ادھر ۔

مجو : بابا ادھر اجازت نہیں ہے ۔

پہلا جوان : ہو کیا اجازت نہیں ہے ۔ ہم کوئی تیرے سے لسنس مانگ رہے ہیں بندوق کا ۔ کیا اجازت نہیں ہے ۔

مجو : دیکھو گڑبڑ کرنے کی ضرورت نہیں تم سیدھا سیدھا ادھر سے چلے جاؤ ۔

دوسرا جوان : ہونہیں جاتا ہے جا۔ کیا کرے گا تو۔ ہیں کیا کرے گا۔

مجو : میں۔ میں تم دونوں کو ادھر سے اٹھاؤں گا۔ وہاں سامنے فٹ پاتھ پر پھینک دوں گا۔

پہلا جوان : (آستین چڑھاکر) او جا چڑی مار کا بچہ آ سامنے دیکھتا ہوں۔

دوسرا جوان : (آستین چڑھاکر) او ادھر سڑک پر آ سامنے۔ تیرے اس گیٹ کو میں بھائی گیٹ نہ بنا دوں تو بولنا۔

مجو : (آگے بڑھتا ہے) یہ بات ہے۔

(معاً بہن کا ہچکیاں لیتا چہرہ اس کے سامنے آجاتا ہے اور مجو کی آواز اس چہرے پر ابھرتی ہے)

آواز : میں وعدہ کرتا ہوں اب تجھے غنڈے کی بہن کوئی نہیں کہے گا زبیدہ۔

(مجو کا رویہ نرم پڑجاتا ہے نرمی سے التجا کرتا ہے)

مجو : میرے بھائی مہربانی کرو یہاں سے چلے جاؤ میری نوکری کا سوال ہے۔ بڑی مہربانی تمہاری چلے جاؤ میرے بھائی۔

پہلا نوجوان : (دوسرے نوجوان سے) او آجا شیدے ، چرک گیا ہے۔

دوسرا جوان : جاؤ معاف کیا ہے تجھے۔ لگڑ کے بچے۔

سین نمبر ۱۵ (مجو کے گھر کا دروازہ)

(مجو گھر کے دروازے پر تختی ٹھونک رہا ہے تختی پر لکھا ہے "چوکیدار عبدالمجید" وہ تختی ٹھونک رہا ہے تو اس کی ماں باہر نکلتی ہے اور ساتھ ہی بہن بھی)

ماں : ارے تو آگیا ہے مجو ؟

مجو : عبدالمجید بولو ماں۔

ماں : (خوش ہو کر) عبدالمجید۔

مجو : یہ دیکھ تختی لگا دی ہے میں نے۔

ماں : کیا لکھا ہے اس پر ؟

مجو : کیا لکھا ہے، وہی لکھا ہے جو میرا نام ہے چوکیدار عبدالمجید۔

بہن : (ہنستی ہے) ہی ہی، ہی ہی۔

مجو : ہنسے جا۔ ہی، ہی ہی ہی۔ یا روئے گی یا ہنسے گی کمینی کہیں کی۔

بہن : ہی ہی ہی ہی۔ چوکیدار عبدالمجید؟ ہی ہی ہی ہی۔

مجو : بے وقوف سب اچھے لوگوں کے گھروں پر نام کی تختیاں ہوتی ہیں۔ دیکھ لے سب نے لگا رکھی ہے میں نے اگر لگائی تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟

ماں : اچھا کچھ کھا پی تو لے پہلے۔ آتے ہی تختی لگانی شروع کر دی۔ چوکیدار عبدالمجید۔

مجو : اچھا ہے ناں ماں۔ یہ نام اچھا نہیں کیا چوکیدار عبدالمجید۔ اماں ایسا لگتا ہے جیسے میں پیدائشی چوکیدار ہوں۔ پتہ نہیں کیوں میں نے ہمیشہ چوکیداری کی ہے۔ ماں کی، بہنوں کی، اس سارے محلے کی چوکیداری۔ اس پورے شہر کی چوکیداری، کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے میں پوری دنیا کا چوکیدار ہوں۔

بہن : (ہنستی ہے) ہی ہی ہی ہی۔ چوکیدار عبدالمجید۔

مجو : ہنسے جا کمینی۔

(معاً باہر کی طرف محلے کے کھلے میدان میں یا گلی میں کوئی شور سنائی دیتا ہے کسی عورت کی فریاد اور کسی لڑکی کی چیخیں بلند ہوتی ہیں)

آوازیں : بچاؤ، بچاؤ، بچاؤ۔

ماں : یہ کیسا شور ہے باہر۔

مجو : ماسی جنت فریاد کر رہی ہے۔

(فائرنگ کی آوازیں آتی ہیں)

ماں : میں مر گئی جنت کی لڑکی کو اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔

مجو : ارے محلے والے دروازے بند کر کے اندر جا رہے ہیں۔ میں آیا ماں۔

ماں : مت جا مجو ___ مت جا۔

مجو : اگر اس وقت زلیخا اٹھ رہی ہوتی تو ماں۔ چھوڑ دے مجھے۔

ماں : میں کہتی ہوں مت جا مجو۔

مجو : چوکیدار عبدالمجید کہو ماں۔

(مجو باہر جاتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۶ : آؤٹ ڈور۔

(کھلا میدان یا گلی۔ ایک ٹیکسی کھڑی ہے کچھ فاصلے پر دو آدمی ایک لڑکی کو اٹھائے چلے آرہے ہیں لڑکی چیخ رہی ہے لڑکی کی ماں بھی بھاگ رہی ہے اور فریاد کررہی ہے)۔

لڑکی : بچاؤ، بچاؤ

لڑکی کی ماں : کوئی میری مدد کرو۔ میری بیٹی۔ میری بچی۔

(غنڈہ دھکا دیتا ہے لڑکی کی ماں گر جاتی ہے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتی ہے۔ مجو بجلی کی سی پھرتی سے آتا ہے اور دونوں کے پیچھے دوڑتا ہے وہ آکر گتھم گتھا ہو جاتا ہے۔ اس ہاتھا پائی میں ایک غنڈہ الگ ہو کر ٹیکسی کی طرف بھاگتا ہے اس کے ہاتھ میں پستول ہے۔ وہ فائر بھی کررہا ہے۔ دوسرا غنڈہ اور مجو ہاتھا پائی کرتے ہیں۔ اس ہاتھا پائی میں لڑکی آزاد ہو جاتی ہے اور بڑے زور سے دور جا گرتی ہے لڑکی کی ماں اپنی گرتی ہوئی بیٹی سے لپٹ جاتی ہے۔ مجو غنڈے کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور جب اسے پکڑنے دوڑتا ہے تو ٹیکسی والا غنڈہ فائر کرتا ہے۔ گولی مجو کے جسم میں لگتی ہے جو لڑکھڑاتا ہے اور غنڈے اور مجو کے درمیان فاصلہ بڑھ جاتا ہے مگر مجو تعاقب جاری رکھتا ہے اور فاصلہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ بھاگتا غنڈہ بھی ٹیکسی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ ٹیکسی فرار ہو جاتی ہے مجو لڑکھڑاتا ہوا دور تک دوڑتا ہے اور پھر زمین کھمبے، مکان چھتیں، دیواریں درخت پتے ہر چیز گھومتی ہے اور مجو دھڑام سے زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ مجو کے گرتے ہی اور لوگ مجو کی طرف دوڑتے ہیں۔ مجو کی ماں بہن اور وہ عورت جس کی بیٹی اغوا ہو رہی تھی۔ مجو کی سمت بھاگتے دوڑتے ہیں۔ مجو زخمی خون میں لت پت پڑا ہے۔

ماں : مجو!

مجو : (ہچکی بندھی ہوئی ہے) چ چ چ - چوکیدار عبدالمجید ماں

بہن : بھیا۔

دوسری لڑکی کی ماں : ارے کوئی جلدی سے گاڑی کا بندوبست کرو جلدی کوئی خدا کا بندہ۔

(لڑکی کی ماں مجو کی ماں کو مجو پر سے ہٹاتی ہے۔ ماں مجو سے لپٹی ہوئی ہے۔ ایمبولینس کی لائٹ گھومتی ہے سائرن کی آواز) (کٹ)

سین نمبر ۱۱ : ہسپتال کا بیڈ

(مجو بیڈ پر پڑا ہے۔ بظاہر اس کی موت کا منظر معلوم ہو رہا ہے۔ مجو کی ماں بہن اس کے پاس مضطرب ہیں۔ ایک ڈاکٹر یا نرس بھی ہے۔ نجمی تیز تیز آتا ہے۔ ڈاکٹر نرس کو اشارے سے کچھ کہتا ہے اور باہر چلا جاتا ہے)

نجمی : مجو۔ یہ کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا مجو؟

مجو : (ہونٹ کانپتے ہیں) م م م م مجو نہ کہو نجمی صاحب عبدالمجید چ چ چ چوکیدار

(مجو ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ بہن کی ہچکی بندھ جاتی ہے مجو بہن کو اشارے سے پاس بلاتا ہے بہن قریب آتی ہے مجو بہت رک رک کر بولتا ہے۔

مجو : م م مت رو بہن۔ اب ک ک کوئی تجھے غنڈے کی بہن نہیں کہے گا۔

(آنسوؤں سے بھری آواز میں)

گرفتارِ وفا

آرٹسٹ (مرکزی کردار)	————	ثاقب شیخ
بیوہ (مسز عالم)	————	زینت یاسمین
شہلا	————	شمسی ملک
ٹونی	————	ماسٹر محمد علی
ماموں	————	ماجد علی

اور چند دوسروں کے علاوہ
کافی ہاؤس کے مستقل کردار

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

غالبؔ

سین نمبر ۱ : کافی ہاؤس

کافی ہاؤس میں گہما گہمی ہے۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پر مصروف ہیں۔
شعلہ اور سنگر کی میز

سنگر : (آہستہ سے گا کر) غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دِل ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا۔ غم روزگار ہوتا

شعلہ : واہ واہ، سبحان اللہ۔ کیا سوز ہے آواز میں۔

سنگر : یار شعلہ صاحب صرف تعریف کرتے رہو گے کبھی اپنے پروڈیوسر سے کہو مجھ سے بھی کچھ پوچھ لے۔ میں بھی اِنسان ہوں میں بھی سینے میں دل۔ منہ میں زبان اور گلے میں سوز رکھتا ہوں۔

سی آئی ڈی کی میز

رمضو : جناب! یہ کاغذ پنسل اور ٹھنڈا پانی۔

سی آئی ڈی : (واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے) یہ جناب کاغذ، پنسل اور ٹھنڈا پانی، مہربانی۔ کچھ نہیں چاہیئے۔

تیسری میز

(پروپرائٹر یعنی بوس کافی ہاؤس کا سروے کر رہا ہے)

آرٹسٹ : آج درانی صاحب کچھ اشاروں کنایوں میں بات کر رہے ہیں ہم سے۔

نجمی : ارے درانی صاحب! یہ کیا سروے ہو رہا ہے آج؟

پروپرائٹر: نجمی صاحب! کافی ہاؤس کے فرنیچر میں کچھ تبدیلی کرنا چاہتا ہوں۔

ایجنٹ : بدلنا ہے تو کسٹمرز کو بدل دو۔ فرنیچر بدلنے سے سیل نہیں بڑھے گی۔

پروپرائٹر: ارے صاحب آپ لوگوں ہی کے لیے تو فرنیچر بدل رہا ہوں۔

نجمی : پھر تو ہم کہیں گے کہ کرسیاں نکال کر یہاں فقط چاندنی بچھا دیں سامعین کے لیے۔

پروپرائٹر: اور شعرا کے لیے ایک ڈائس بنوا دوں۔

ایجنٹ : لیکن اچھے شاعروں کا بندوبست ہونا چاہئے ورنہ ڈائس کا بیمہ کرا لو۔

تاجر : ڈائس کی فکر نہ کریں بوس روز ٹوٹے گا میں روز بنوا دوں گا چاہے جتنا پیسہ لگے

ایکٹر : کیوں نہیں، کیوں نہیں سخن فہم ہوں تو ایسے۔

(شہلا کافی ہاؤس میں داخل ہوتی ہے اور سارے کافی ہاؤس کی نگاہ اُدھر پڑ جاتی ہے)

ایک آواز : اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

شہلا : ہیلو آرٹسٹ (شہلا سیدھی ثاقب کے پاس آتی ہے)

ثاقب : تم یہاں کیسے آئی ہو؟

ایجنٹ : جیسے تم آئے ہو ویسے یہ بھی آئی ہوں گی۔ ان کے آنے پر پابندی ہے کیا؟

شہلا : اتنی سمپل بات بھی اسے سمجھانی پڑتی ہے بڑے صاحب!

ثاقب : بیٹھو۔

شہلا : بیٹھنا نہیں چلنا ہے۔ چلو۔

ثاقب : کہاں؟

شہلا : پیرس!

(سب لوگ شہلا اور ثاقب کے منہ دیکھتے ہیں)

نجمی : (حیرت میں)، پیرس؟ (کٹ)

(کھیل کا ٹائیٹل)

سین نمبر ۲ : (ایڈورٹائزنگ آفس)

شہلا : سنو! یہ اس بیوہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟

آرٹسٹ : مسز عالم سے؟

شہلا : ایک ہی بات ہے مسز عالم کہو یا بیوہ۔ تمہارا تعلق کیا ہے؟

(ثاقب شہلا اپنے اپنے بورڈ پر ہیں۔ ڈیزائننگ ہو رہی ہے)

آرٹسٹ : میں پئینگ گیسٹ ہوں اس کا۔

شہلا : بس؟

آرٹسٹ : بس کیا؟

شہلا : میرا مطلب ہے پے کرتے ہو یا ویسے ہی پئینگ گیسٹ ہو۔

آرٹسٹ : ارے واہ۔ پے کرتا ہوں۔ پانچ سو روپے مہینہ۔

شہلا : صرف ایک کمرے کا؟

آرٹسٹ : صرف ایک کمرہ ہی تو نہیں ہے ناں صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا بھی تو کھاتا ہوں سب سے اہم بات یہ ہے کہ گھریلو ماحول ہے۔

شہلا : گھریلو ماحول کی ڈیفی نیشن کیا ہے؟

آرٹسٹ : فضول بات۔

شہلا : یہ کوئی ڈیفی نیشن نہیں ہے۔

(معاً کمپنی کا ڈائریکٹر اندر آتا ہے اور ثاقب سے بات کرنے لگتا ہے ثاقب کھڑا ہو جاتا ہے۔ ڈائریکٹر کے پاس کچھ ڈیزائن وغیرہ ہیں وہ ثاقب کو ڈیزائن دکھا کر

کہتا ہے)

ڈائریکٹر: یار یہ کمپین نہیں چلے گی۔

ثاقب: کیوں سر؟ یہ تو ایک ٹرینڈ ہے ماڈرن۔

ڈائریکٹر: بھئی یہ بہت ہی ماڈرن ہے نہیں چلے گا۔

ثاقب: یہ بہت ماڈرن ہے سر اور جو پہلے بنائی تھی وہ بہت ٹریڈیشنل تھی بتائیے اب کیا کیا جائے؟

ڈائریکٹر: میرا مطلب ہے یہ کلائنٹ ہاتھ سے نکلنا نہیں چاہیئے۔ ثاقب کیوں نہ، ہم بیچ کا راستہ اختیار کریں۔

آرٹسٹ: جی سر۔ ہم بیچ کا راستہ اختیار کریں گے۔ ایز یو وِش۔

ڈائریکٹر: اچھا دی ویل ہیو اے میٹنگ آفٹر لنچ۔

آرٹسٹ: رائٹ سر!

ڈائریکٹر: ہائے شہلا۔

شہلا: ہائے سر!

(ڈائریکٹر چلا جاتا ہے۔ ثاقب اور شہلا ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں)

شہلا: ثاقب! آؤ یہاں سے چلیں۔

ثاقب: چائینز میں؟

شہلا: ڈیم اٹ مین۔ میں پیرس کی بات کر رہی ہوں۔ یاد رکھو جب تک آرٹسٹ فرانس یاترا نہیں کرے ناں وہ آرٹسٹ نہیں بن سکتا۔

ثاقب: گویا میں آرٹسٹ نہیں ہوں؟

شہلا: تم زبردست آرٹسٹ ہو۔ بڑا اسپارک ہے تم میں لیکن یہاں کیا کمرشیل ڈیزائنوں میں پڑے سڑ رہے ہو۔ دس دس منٹ کے بعد اٹھنا پڑتا ہے جی سر۔ یس سر۔ جی سر۔ یس سر۔ یہ آرٹسٹ کی زندگی نہیں ہے نکلو یہاں سے

ثاقب: اور تم جیسے دھن دولت عیش عشرت ٹھاٹھ باٹھ دنیا کی ہر آسائش میسر

ہے تم یہاں پڑی کیا کر رہی ہو؟

شہلا : میں؟ سچ بتادوں۔ مجھے وقت گذارنا ہے اور سچ بتاؤں۔ میں صرف تمہاری وجہ سے یہاں پڑی ہوئی ہوں۔

ثاقب : (تالی بجاکر) ویل سیڈ۔

(شہلا بھی تالی بجاتی ہے۔ دونوں آہستہ آہستہ تالی بجانے لگتے ہیں۔ معاً ایک جوڑا جو اپنے لباس سے آرٹسٹ لگتا ہے جیکٹ اور جینز وغیرہ پہنے آتا ہے اور جاتے جاتے بات کرتا ہے)

اسلم : ہیلو ثاقب!

ثاقب : ہیلو اسلم!

اسلم : ہائے شہلا!

شہلا : ہائے۔ گوئنگ فار لینچ؟

اسلم : یس۔ کم آن۔ جوئن اس۔

شہلا : شیور؟؟

اسلم : اوہ۔ شیور۔

(شہلا ثاقب کو چھوڑ کر بے نیازانہ انداز میں اٹھ کر دونوں کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ ثاقب عجیب نظروں سے دیکھتا ہے اور کچھ محسوس نہیں کرتا) دکٹ)

سین نمبر ۲ : کوٹھری۔ رات

(ثاقب چپ چاپ چوروں کی طرح کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ بتی جلاتا ہے اور اس کے کمرے کی چیزیں نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ ایک مکمل آرٹسٹ کا کمرہ ہے۔ چند تصویریں دیواروں پر لگی ہوئی ہیں۔ کچھ زمین کے ساتھ ہیں کچھ ایزل پر رکھی ہیں۔ کچھ رنگ روغن اور برش وغیرہ ہیں۔ دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی لکھنے کی میز وغیرہ ہے۔ ثاقب برابر والے کمرے کی طرف ایک نگاہ ڈالتا ہے

اور پھر فولڈنگ چارپائی پر لیٹ جاتا ہے معاً بیچ کے دروازے پر دستک ہوتی ہے
اُٹھ بیٹھتا ہے)

ثاقب : آئیے۔

مسز عالم : آ گئے ثاقب؟

ثاقب : میں تو بہت آہستہ آیا تھا کہ آپ بیدار نہ ہو جائیں۔

مسز عالم : ارے واہ۔ یہ خوب تکلف ہے کیا بھوکے ہی سو جاتے۔

ثاقب : بات یہ ہے کہ نہ میرا کوئی جانے کا وقت اور نہ آنے کا وقت مقرر ہے۔ اپنے
اِس رویے پر سخت شرمندگی ہوتی ہے مجھے۔

مسز عالم : اِس شرمندگی کا کیا علاج ہے؟

ثاقب : کوئی علاج نہیں۔

مسز عالم : (ازراہِ مذاق) تو ایسا کرو میں کھانا گرم کرتی ہوں اِتنے میں تم شرمندہ ہو لو۔

ثاقب : سنیئے۔ آپ پلیز میرا کھانا یہاں میز پر رکھ دیا کریں میں جب بھی آیا کروں گا
کھالوں گا۔

مسز عالم : گرم کیے بغیر؟

ثاقب : ٹھنڈا، گرم سب چلتا ہے۔ ہم آرٹسٹوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مسز عالم : کھانا گرم کرنے سے ہم عورتوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ثاقب : (ہنستا ہے اور پھر سنجیدہ ہو جاتا ہے) میرا خیال ہے کہ ...

مسز عالم : کیا خیال ہے؟

ثاقب : یہی کہ مجھے ریگولر ہو جانا چاہیئے۔

مسز عالم : خیال تو اچھا ہے۔

ثاقب : لوٹی سو گیا ہے کیا؟

مسز عالم : ابھی ابھی سلایا ہے اسے۔

(معاً گوٹی نمودار ہوتا ہے)

ثاقب : او ہو تو آپ سوئے ہوئے ہیں گویا؟

لوٹنی : ہاں۔ میں سو گیا ہوں انکل۔

مسز عالم : ارے تم جاگ رہے ہو شریر؟

(جھوٹ موٹ کی فوٹو بناتا ہے)

لوٹنی : ریڈی! ذرا پاس پاس ہو جائیے دونوں۔ کلک۔ شکریہ!

ثاقب : جو کل بنائی تھی وہ ڈی ویلپ ہو گئی۔

لوٹنی : ابھی تو کل والی ریل ختم نہیں ہوئی انکل!

(تینوں ہنستے ہیں ۔ کٹ)

سین نمبر ۴ : (ڈرائنگ روم) صبح کا وقت

(بیوہ لوٹنی کو کپڑے وغیرہ پہنا کر اسکول کے لیے تیار کر رہی ہے اور اسکول کا بیگ وغیرہ اس کے گلے میں ڈال رہی ہے)

مسز عالم : چلو بیگ اٹھاؤ۔ اور دیکھو انکل تیار ہیں کہ نہیں؟

ثاقب : انکل ایک دم تیار ہیں ناشتہ کیا تم نے؟

لوٹنی : نہیں، امی ناشتہ دیتی نہیں ہیں۔

مسز عالم : (چپت لگا کر) جھوٹا۔

ثاقب : کامیاب زندگی گذارے گا، آجاؤ۔

مسز عالم : ثاقب! معاف کرنا۔ یہ ایک تمہاری مستقل ڈیوٹی ہو گئی ہے۔

ثاقب : اَب آپ تکلف کی بات کر رہی ہیں۔ میرے راستے میں اس کا اسکول پڑتا ہے۔ اس کی انگلی پکڑ کر چھوڑ دیتا ہوں ـــــ کوئی سر پر تو نہیں اٹھا کر لے جاتا ـــــ اور سر پر بھی اٹھانا پڑے تو کونسا بوجھ ہے اس کا۔

(مذاق میں سر پر اٹھا کے چل پڑتا ہے۔ بیوہ دونوں کو جاتے ہوئے کھڑکی سے دیکھتی ہے) (کٹ)

سین نمبر ۵ : (گلی۔ آؤٹ ڈور)

(ایک گلی میں ثاقب نے ٹونی کی انگلی پکڑ رکھی ہے اور اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۶ : آفس

(ثاقب اور شہلا۔ شہلا اپنے ایزل بورڈ کو سامنے رکھے ہوئے دھیرے دھیرے ثاقب کو چڑانے کے لیے فرانسیسی انداز میں گانا گاتی ہے)

شہلا : یور لائف اِز پور لائف۔ مائی لائف از مائن۔

نہ نہ نہ نہ نہ نہ۔ لیو اینڈ لیٹ لیو۔

ثاقب : یہ اس نے گایا تھا ناں۔ کیا نام تھا اس کا فرنچ کومیڈین سنگر موریش شیولیئر

شہلا : (درستی کرتی ہے) موری شیولیئو، یہی تو میں کہہ رہی ہوں تم سے کہ جب تک پیرس سے لوٹ کر نہیں آؤ گے تمہارا فرنچ پرونا ونسیئشن صحیح نہیں ہوگا۔

ثاقب : تم کتنے عرصے رہی ہو فرانس میں شہلا؟

شہلا : تقریباً ایک ہزار سال۔

ثاقب : کچھ کم کرو گی اس سے۔

شہلا : کہتے ہو تو کم کر دیتی ہوں۔ لیکن لگتا مجھے یوں ہے جیسے میں جنم جنم کی فرنچ ہوں۔ میری زِندگی موت اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا...

ثاقب : (لقمہ دیتا ہے) ہنسنا۔ رونا

شہلا : ہنسنا۔ رونا۔ سب کچھ فرنچ ہے۔

ثاقب : لیکن رہی کتنا عرصہ ہو فرانس میں؟

شہلا : اِس جنم میں تو صرف دس دن گزارے ہیں۔

ثاقب : (ہنستا ہے) دس دن میں یہ حال ہو گیا ہے تمہارا؟ آؤ چلیں۔

شہلا : کہاں۔ فرانس ؟
ثاقب : فی الحال تو گھر چلیں۔ کافی وقت ہو گیا ہے۔
شہلا : چلو ڈراپ کر دوں تمہیں۔ بیوہ انتظار کر رہی ہو گی (کٹ)

سین نمبر ۷ : آؤٹ ڈور (کار)

(کار کا انسرشن، مختلف راستوں سے کار جاتی ہے) (کٹ)

سین نمبر ۸ : صحن

(ثاقب اور شہلا داخل ہوتے ہیں۔ مسز عالم اور لوٹنی موجود ہیں)
ثاقب : (تعارف کراتا ہے) شہلا۔ میری کولیگ ۔ مسز سلمیٰ عالم میری لینڈ لیڈی (دونوں ہاتھ ملاتی ہیں)
مسز عالم : اف کس قدر بھاری بھرکم نام ہے لینڈ لیڈی ۔ ۱۲۰ گز پر بنی ہوئی جھگی کی مالکن اور بن گئی لینڈ لیڈی۔
شہلا : لیڈی اِز ENOUGH سویٹ ہ پیرس میں بہت خوبصورت لگتا ہے۔ میڈامیزال۔
ثاقب : بورن پریسین ہیں۔ ایک ہزار سال گزارے ہیں پیرس میں۔
مسز عالم : کل ایک ہزار سال۔
شہلا : کل ؟ (تینوں ہنستے ہیں)
ثاقب : یہ میری تصویریں دیکھنے آئی ہیں (شہلا سے) آیئے (کٹ)

سین نمبر ۹ : کوٹھڑی

(دونوں کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہیں۔ شہلا تصویریں دیکھتی ہے اور خوش ہو رہی ہے)

شہلا : (سیٹی بجا کر) اوں ہوں۔ ونڈرفل ۔ ونڈرفل

ثاقب : میں صرف کمرشیل آرٹسٹ ہی نہیں ہوں CREATIVE بھی ہوں۔

شہلا : REALISM تو تم کرتے نہیں تھے، یہ کیا بنایا ہے۔

ثاقب : بس کبھی کبھی ذائقہ بدلنے کے لیے ادھر بھی رخ کر لیتا ہوں۔

شہلا : (پورٹریٹ کی طرف) یہ کس بچے کا پورٹریٹ ہے۔

ثاقب : ابھی تو ملی ہو۔ لوٹنی ۔ میں نے ذرا اس کی شرارتوں کو اس کے فیچرز میں ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ بہت پیار کرتا ہوں میں اس بچے سے۔

شہلا : ضروری ہے۔

ثاقب : کیا ضروری ہے؟

شہلا : (زیرِ لب، آہستہ سے) بچے کی ماں سے پیار کرنے کے لیے بچے سے پیار کرنا ضروری ہے۔

ثاقب : کلیشے۔

شہلا : پیرس کے اندر یہ کلیشے پھر ایک فلسفہ بن گیا ہے۔

ثاقب : تمہیں پیرس فوبیا ہو گیا ہے شہلا۔

شہلا : یہ پورٹریٹ کس کا ہے؟

ثاقب : بس ہے۔

شہلا : پھر بھی؟

ثاقب : اب کیا بتاؤں کسی نجمہ، ثریا، صفیہ، شہلا یا عاصمہ کا تو ہے نہیں کہ نام بتا دوں۔ یہ تو بس ہے۔

شہلا : تو پھر وہی آئیڈیل والی بات ہو گی؟

ثاقب : پتہ نہیں۔

شہلا : تم کیا کہتے ہو یہ آئیڈیل کے بارے میں (پرس سے ڈائری نکال کر) لاؤ تمہارا نام بھی بڑے آرٹسٹوں میں شامل کر دوں۔ اس میں آئیڈیل کے بارے

میں تمام ٹاورنگ آرٹسٹوں کی رائے ہے۔ بولو۔ بولو۔ بولو۔

ثاقب : بولوں ۔ بکواس۔

شہلا : (لکھتی ہے) بکواس۔

ثاقب : یہ سب بکواس ہے۔ آئیڈیل وائیڈیل کچھ نہیں ہوتا شہلا۔ ایک محرومی اور فرسٹیشن کا نام آئیڈیل ہے۔ جو چیز بھی آدمی کو نہیں مل سکتی وہ اسے آئیڈیل بنا لیتا ہے۔

شہلا : اور اگر وہ چیز مل جائے تو؟

ثاقب : تو پھر وہ آئیڈیل نہیں رہتی کچھ اور بن جاتی ہے۔

شہلا : ہوں ۔ اور؟

ثاقب : کبھی کسی کو دیکھا ہے تم نے جو یہ کہتا ہو کہ اس کی بیوی اس کی آئیڈیل ہے؟

شہلا : ایک بات بتاؤ ثاقب۔ تمہیں ضرور اور ضرور پیرس میں ہونا چاہیئے۔ (دونوں ہنستے ہیں۔ معاً مسز عالم کمرے میں چائے کر داخل ہوتی ہے)

مسز عالم: چائے۔

شہلا : سچ اے نائس لیڈی (چائے لیتے ہوئے) تھینک یو سو مچ۔

ثاقب : (ممنون ہو کر) شکریہ!

(معاً ٹونی اندر داخل ہوتا ہے)

ٹونی : (تصویر لیتے ہوئے) ریڈی۔ کلک

(تینوں پوز دیتے ہیں ۔ کٹ)

سین نمبر ۱۰ : ڈرائنگ ۔ ڈائننگ

(صبح : ثاقب، مسز عالم اور ٹونی تینوں ناشتہ کر رہے ہیں۔ ثاقب جلدی جلدی ناشتہ کر رہا ہے)

ثاقب : یار جلدی کرنا۔ لوٹنی کے بچے۔ اسکول نہیں جانا ہے کیا؟
مسز عالم : یہ تو نواب صاحبوں کی طرح جم کے بیٹھا ہے آج۔
لوٹنی : انکل پتہ ہے مس نے ناں مجھے اگلی رو میں بٹھا دیا ہے اپنے پاس۔
ثاقب : ایمان سے؟ یار لوٹنی یہ تیری مس کے ارادے تو ٹھیک ہیں ناں۔ مجھے معاملہ گڑبڑ لگ رہا ہے۔
لوٹنی : وہ کیا ہوتا ہے؟
ثاقب : مطلب ہے عاشق واشق تو نہیں ہو گئی تم پر۔
لوٹنی : پوچھوں گا؟
ثاقب : ارے رے نہیں۔ یہ غضب نہ کرنا۔ یہ باتیں پوچھنے کی نہیں ہوتیں۔
(دستک ہوتی ہے)
مسز عالم : آیئے آیئے ماموں جان۔ السلام علیکم۔ سلام علیکم ممانی!
(مسز عالم کے ماموں اور ممانی داخل ہوتے ہیں)
ماموں : وعلیکم السلام۔ کیسی ہو بیٹی؟
مسز عالم : شکر ہے خدا کا۔ آپ اچھے ہیں؟
ماموں : اوہو۔ یہ لوٹنی ہے۔ اور ....
مسز عالم : (تعارف کراتی ہے) یہ ثاقب ہیں۔
ماموں : کون ثاقب؟
مسز عالم : ہمارے کرایہ دار۔
ممانی : کرایہ دار؟
مسز عالم : ہمارے کرایہ دار بھی اور پےینگ گیسٹ بھی ہیں۔
ماموں : (دونوں دیکھتے ہیں) کب سے رہ رہے ہیں یہاں؟
مسز عالم : کافی دنوں سے۔
ثاقب : (لوٹنی سے) چلو بیٹے دیر ہو رہی ہے اسکول، مجھے بھی آفس پہنچنا ہے۔

(ڈیوٹی پر ریڈ کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ ثاقب بھی سب کو مشترکہ سلام کرتا ہوا اٹھ جاتا ہے)

ثاقب : (جاتے ہوئے) السلام علیکم۔

(ماموں اور ممانی کی نگاہ نہایت مشکوک انداز میں ثاقب کا تعاقب کرتی ہے)

ماموں : ہم ذرا جیولر کے پاس آئے تھے۔ سوچا تمہیں ملتے چلیں۔

مسزِ عالم : میں چائے بناتی ہوں۔

ممانی : چائے نہیں پینی۔

ماموں : (لفافہ دیتا ہے) ہم ذرا جلدی میں ہیں چلیں گے۔ یہ کچھ ذکات نکالی تھی

مسزِ عالم : محض یہ دینے کے لیے آئے ہیں آپ میرے پاس؟

ماموں : ہم نے سوچا تم سے زیادہ مستحق کون ہوگا۔ تم پھر اپنی ہو۔

مسزِ عالم : (لوٹاتے ہوئے) نہیں ماموں۔ مجھ سے زیادہ مستحق بھی کافی لوگ ہیں دنیا میں میرے میاں کو مرے ہوئے چار سال ہوگئے ہیں آخر ہو ہی رہا ہے گذارا۔

(ماموں ممانی ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں)

ممانی : کیسے ہو رہا ہے گذارا؟

مسزِ عالم : اللہ مالک ہے۔ میں کچھ تھوڑی بہت سلائی کر لیتی ہوں پھر یہ چھوٹا سا مکان بھی ہمارے لیے بہت بڑا ہے۔ پئینگ گیسٹ ہے ایک وہاں سے کچھ مل جاتا ہے۔ وقت کٹ جاتا ہے۔

ممانی : (طنز کرتے ہوئے) میرا خیال ہے اچھا خاصا وقت کٹ جاتا ہے تمہارا۔

ماموں : شاید ہم سے غلطی ہوگئی ہے۔

ممانی : بالکل غلطی ہوگئی ہے۔ اسے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ پا لیا ہے اس نے۔ پئینگ گیسٹ ہیں اس کے پاس۔

(دونوں ٹپ ٹپ کرتے چلے جاتے ہیں)

(کٹ)

سین نمبر ۱۱ : کوٹھڑی

(ثاقب تصویر بنانے میں مصروف ہے وہ کسی جن کی طرح دو دو ہاتھوں سے ایک بڑی تصویر کسی نئی ٹیکنک سے بنا رہا ہے۔ اس کی تصویر بنانے کے عمل کو DISSOLVE. کرکے وقت گذرتا دکھایا جانا مقصود ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۱-اے

(ثاقب اسی انداز میں نہایت محنت کے ساتھ تصویر بنانے میں لگا ہوا ہے۔ اچانک اس کے جسم میں جھرجھری سی محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہلکا سا کپکپاتا ہے پھر یہ کپکپی دھیرے دھیرے تیز ہوتی ہے وہ بے چینی اور اضطراب محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسے شدید سردی لگتی ہے۔ وہ اور زیادہ شدت سے کپکپاتا ہے۔ اور برش چھوڑ کر سوئیٹر پہنتا ہے۔ سوئیٹر پہنتے ہوئے اس کی سردی بڑھتی ہے۔ وہ لڑکھڑا کر گرتا ہے۔ گرتے ہوئے اس کے ایزل سے تصویریں بھی گرتی ہیں۔ اور دھم دھم کی آوازیں آتی ہیں) (کٹ)

سین نمبر ۱۲-اے : کمرہ

(دوسرے کمرے میں مسز عالم اور لوٹی سوئے ہوئے ہیں۔ سامان گرنے کی آواز سن کر مسز عالم ایک دم ہڑبڑا کر اٹھتی ہے۔ اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے سامنے دیوار پر لگے کلاک پر ٹائم دیکھتی ہے۔ رات دو ڈھائی بجے کا عمل ہوتا ہے۔ معاً ایک اور ٹھوکر کی آواز آتی ہے معلوم ہوتا ہے جیسے پھر کوئی چیز گر گئی ہو۔ مسز عالم آہستہ سے پکارتی ہے)

مسز عالم : ثاقب!

(کٹ)

سین نمبر ۱۲ - بی (کوٹھڑی)

(ثاقب زمین پر پڑا ایک کمبل اوڑھے سردی سے تھر تھر کانپ رہا ہے اور ساتھ ہی اس کے منہ سے عجیب ٹھٹھرتی ہوئی آوازیں آ رہی ہیں وہ سخت قسم کے ملیریا میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مسز عالم شب خوابی کا لباس پہنے کوٹھڑی میں داخل ہوتی ہے)

مسز عالم: ثاقب کیا ہو گیا ہے؟ ثاقب!

ثاقب: میرے اوپر کچھ ڈال دیں سردی لگ رہی ہے۔

مسز عالم: (چھو کر) اف اللہ، تمہیں تو پھنک کر بخار ہو گیا ہے۔ اٹھ جاؤ، اٹھو اوپر۔ کام کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے ناں۔ رات رات بھر جاگتے رہتے ہو۔

(جلدی سے پلنگ پر بستر کھولتی ہے تکیہ درست کرتی ہے۔ وہ ثاقب کو سہارا دے کر اٹھاتی ہے اور ایک کمبل اوپر ڈالتی ہے۔ ثاقب تھر تھر کانپ رہا ہے)

ثاقب: اوہو ہو ہو ہو۔ کوئی اور چیز ڈال دو اوپر۔

مسز عالم: ابھی ٹھیک ہو جاؤ گے تم۔ میں ابھی گرماگرم کافی لاتی ہوں اور کوئی دوا بھی دیتی ہوں۔ (DISSOLVE)

سین نمبر ۱۲ - ڈی (کوٹھڑی)

مسز عالم: ثاقب! یہ لو کافی پی لو تھوڑی سی۔

(ثاقب منہ اور سر لپیٹے ہوئے اٹھتا ہے)

ثاقب: اوہو۔ ہو ہو۔ سردی کم نہیں ہو رہی ہے۔

مسز عالم: بخار تمہارا تیز ہو رہا ہے۔ سردی کم ہو جائے گی کافی پی لو۔ یہ گولی بھی اس کے ساتھ کھا لو ابھی پسینہ آ جائے گا۔ بالکل نہیں گھبراؤ تم۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔

(ثاقب جلدی جلدی کافی پیتا ہے۔ گولی حلق سے اتارتا ہے اور اوڑھ کر لیٹ جاتا ہے۔ مسز عالم پانی کی گرم بوتل اس کے بستر میں رکھتی ہے پھر وہ کرسی پاس کھینچ کر

بیٹھ جاتی ہے اور اس کے چہرے پر کمبل وغیرہ ڈالتی ہے۔ ثاقب کی کپکپی دھیرے دھیرے ختم ہوتی ہے اور وہ نارمل ہونے لگتا ہے) (DISSOLVE)

سین نمبر ۱۳ : کوٹھڑی

(ثاقب چارپائی پر لاٹھ بیٹھا ہے اور اس کی شیو کم و بیش چار دن کی بڑھی ہوئی ہے۔ مسز عالم کمرے میں داخل ہوتی ہے اور اس نے دوائیں وغیرہ اٹھا رکھی ہیں)

مسز عالم: کیسی طبیعت ہے؟

ثاقب: کیسا لگ رہا ہوں؟

مسز عالم: ایک دم فسٹ کلاس - لو - دوا لے لو۔

(پانی دیتی ہے - ثاقب دوا کھاتا ہے)

ثاقب: بس اور تو نہیں کھانی ہے ناں؟

مسز عالم: بس۔ یہ مکسچر ہے صبح، دوپہر، شام ــــ اور کیپسول چھ چھ گھنٹے بعد اور ہاں ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کیپسول مس نہ ہو بالکل۔

ثاقب: میری سمجھ میں نہیں آتا میں آپ سے کیا کہوں؟

مسز عالم: میرا خیال ہے کچھ نہ کہو تو اچھا ہے کیونکہ ڈاکٹر کی طرف سے تمہیں زیادہ بولنے کی اجازت بھی نہیں ہے - دماغ تھک جائے گا۔

(دستک ہوتی ہے)

ثاقب: کون؟

(مسز عالم باہر کا دروازہ کھولتی ہے)

مسز عالم: آیئے آیئے۔

(شہلا داخل ہوتی ہے)

شہلا: اوہ، پوئر فیلو۔ وٹ ہپنڈ؟ میں سمجھتی تھی تم پیرس چلے گئے۔ اس لیے

نہیں آرہے ہو ؟

ثاقب : پیرس تو اکٹھے جانا ہے اکیلا تھوڑی جاؤں گا۔

شہلا : کیا بھروسہ ۔ اے مرد تیرا دوسرا نام بے وفائی ہے ۔ ایم آئی رانگ لیڈی ؟ (ہنستی ہے)

مسز عالم : آپ بہت دلچسپ ہیں ۔

شہلا : ہو کیا گیا ہے اسے ؟

مسز عالم : پوچھیں ۔

ثاقب : اب تو ٹھیک ہوں شہلا ۔

مسز عالم : چار دن بہت طبیعت خراب رہی ۔ درد کھانسی بخار ، ملیریا پتہ نہیں کیا کیا ہو گیا تھا ۔

شہلا : (اچک کر پرے جاتی ہے) او مائی گاڈ ملیریا ۔ ارے یہ تو انفکشس ہوتا ہے ۔ یوں لگتا ہے ایک سے دوسرے کو مگر اس وقت ٹھیک ہو تم ۔ اٹھو چلیں ۔

ثاقب : کہاں پیرس ؟

شہلا : ہاں پیرس ۔ ذرا تمہیں باہر کی سیر کرا لاؤں یہ کیا چار دن سے بستر پر پڑے ہو ۔ پڑے پڑے اچھے بھلے آدمی کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے ۔

ثاقب : مگر

شہلا : اگر مگر کچھ نہیں ۔ اٹھو (بیوہ سے) لے جاؤں آنٹی ؟

مسز عالم : بھئی میں کیا کہہ سکتی ہوں ۔ آپ کا اور اس کا معاملہ ہے ۔

شہلا : (ہاتھ پکڑ کر اٹھاتی ہے) بس آنٹی نے بھی اجازت دے دی ہے گیٹ اپ

ثاقب : ارے ارے رے گھسیٹو مت ۔ اچھا سنو ۔ ذرا شیو بنا لوں ؟

شہلا : نہ آپ کا رشتہ تلاش کرنے نہیں جا رہے ہیں ہم ۔ ویسے بہت اچھے لگ رہے ہو ۔ پیرس میں تو ایسے بُرے حال پر لڑکیاں بُری طرح مرتی ہیں ۔

ثاقب : یہ پیرس نہیں ہے ۔

شہلا : لڑکیاں تو یہاں بھی ہیں۔ کم آن ! (ثاقب اٹھتا ہے)

مسز عالم : یہ جرسی لیتے جاؤ۔ شاید ضرورت پڑ جائے۔ ٹھنڈ سے بچانا خود کو اور گاڑی کے شیشے اوپر چڑھا لینا۔ سردی تمہارے لیے اچھی نہیں ہے۔

شہلا : ڈونٹ وری آنٹی۔ اس کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھلاؤں گی تو یہ ٹھیک ہو جائے گا بالکل (معنی خیز انداز ہیں) اسے تازہ ہوا کی ضرورت ہے (کٹ)

سین نمبر ۱۴ : (آؤٹ ڈور) کار

(کار فراٹے بھرتی جا رہی ہے۔ شہلا بہت انجوائے کر رہی ہے۔ ثاقب بھی دل بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔ دونوں کچھ باتیں کرتے ہیں اور ہنستے ہوئے جا رہے ہیں لیکن اچانک ثاقب کو کچھ سردی محسوس ہوتی ہے وہ پہلے تو جرسی پہنتا ہے۔ پھر کار کے شیشے اوپر چڑھاتا ہے۔ اسے کپکپی لگنے لگتی ہے۔ وہ شہلا کے ساتھ کندھے پر جھک جاتا ہے۔ شہلا اپنی جانب کا شیشہ بھی بند کرتی ہے شہلا اس کی پیشانی کو چھوتی ہے اور تشویش محسوس کرتی ہے)

شہلا : تمہیں بہت سردی لگ رہی ہے ثاقب (از راہِ مذاق) چاہو تو میرے قریب آ جاؤ (کٹ)

سین نمبر ۱۵ : کوٹھڑی

(ثاقب بستر پر کمبل تانے گرم گرم چائے پی رہا ہے)

مسز عالم : میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اس حالت میں باہر جاؤ لیکن منع نہیں کر سکتی۔

ثاقب : میں خود بھی ٹھیک فیل نہیں کر رہا تھا لیکن شہلا سے جیتنا مشکل ہو جاتا ہے بہت ضدی ہے وہ۔

مسز عالم : بہرحال اب تمہیں کم از کم اور چار دن نہیں ہلنا چاہیے۔ لیٹ جاؤ آرام سے۔

ثاقب : دوا کہاں ہے میری؟

مسز عالم: دوا میں خود وقت پر دے دوں گی۔ تم لیٹ جاؤ۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۶ : آفس

(شہلا اور ثاقب)

شہلا : ایک ہفتے کی بیماری سے تم خاصے ویک ہو گئے ہو تمہیں آج بھی نہیں آنا چاہیئے تھا۔

ثاقب : حیرت ہے۔

شہلا : کس بات پر؟

ثاقب : زندگی میں پہلی دفعہ تم نے کسی بات کا سنجیدگی سے نوٹس لیا ہے شہلا

شہلا : کبھی کبھی آدمی کا دماغ خراب بھی تو ہو جاتا ہے۔

ثاقب : ایسا ہی لگ رہا ہے مجھے؟

شہلا : تمہارا بیٹھنے کا پروگرام ہے ابھی؟

ثاقب : کافی دنوں کے بعد آیا ہوں تو بیٹھوں گا کچھ دیر۔

شہلا : اچھا تو میں چلی۔ خدا حافظ (مصافحہ کرتی ہے)

ثاقب : (حیرت سے مصافحہ کرتے ہوئے) خدا حافظ۔ کل ملاقات ہو گی۔

شہلا : (سنجیدگی سے) کل ملاقات نہیں ہو گی ثاقب۔

ثاقب : (مذاق سے) کیوں کل تم پیرس چلی جاؤ گی کیا؟

شہلا : (مزید سنجیدگی سے) کل نہیں آج ثاقب۔ بابا کا ٹرانسفر ہو گیا ہے اور ہم لوگ آج رات کی فلائیٹ سے جا رہے ہیں۔

ثاقب : کہاں؟

شہلا : پیرس۔

ثاقب : تم تو واقعی سیریس ہو گئی ہو۔

(ثاقب دھیرے دھیرے اپنی سیٹ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور ٹکر ٹکر دیکھنے لگتا ہے)

شہلا : کبھی کبھی ہونا پڑتا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔

ثاقب : پیرس کی گھماگھیوں سے کبھی فرصت ملے تو یاد کر لینا شہلا۔

شہلا : اگر فرصت ملی تو اور مجھے یہ ٹیپ اس فرصت میں مل گئی تو بجایا کروں گی

ثاقب : کونسی ٹیپ؟

(شہلا پرس کے اندر ٹیپ کھول دیتی ہے)

ثاقب کی آواز : بوہوں۔ بکواس۔

شہلا کی آواز : بکواس۔

ثاقب کی آواز : یہ سب بکواس ہے آئیڈیل وائیڈیل کچھ نہیں ہوتا شہلا۔ ایک محرومی اور فرسٹیشن کا نام آئیڈیل ہے جو چیزیں آدمی کو مل نہیں سکتیں وہ انہیں اپنا آئیڈیل بنا لیتا ہے۔

شہلا کی آواز : اور اگر وہ چیزیں مل جائیں تو؟

ثاقب کی آواز : تو پھر وہ آئیڈیل نہیں رہتیں کچھ اور بن جاتی ہیں۔

(کھٹ سے شہلا ٹیپ بند کر کے پھر غیر سنجیدہ ہو جاتی ہے)

شہلا : ارے رے رے۔ اب تم سنجیدہ ہو چلے ہو لیکن غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا میں تو ابھی ابھی یہ ٹیپ چیک کر رہی تھی تو یہ ٹکڑا اس میں سے نکل آیا۔ میں نے کہا اسے ریز کرنے سے پہلے تمہیں سنا دوں ویسے کبھی موقع ملا تو پیرس آنا ضرور۔ بڑی نیلی پیلی آنکھوں والی لڑکیاں ہیں وہاں۔ بائی۔ کل ملاقات ہو گی

ثاقب : کل؟

شہلا : ہاں کل۔ کیا کل نہیں آنا ہے تمہیں؟ بائی!

ثاقب : بائی۔ (کچھ عجیب انداز سے سر ہلاتا ہے) کیا تم پیرس؟

سین نمبر ۱۷ : بیوہ کا کمرہ

(بیوہ کے رشتے داروں کا جرگہ بیٹھا ہوا ہے جس میں ماموں اور ممانی بھی ہیں)

مسز عالم: آخر اس جرگہ کا مطلب کیا ہے اور اس طرح آپ لوگ کیوں آئے ہیں میرے پاس؟

ماموں: تم تو بے عزتی کرنے کے انداز میں بات کرتی ہو۔ یہاں کوئی غیر نہیں ہے اس وقت سب تمہارے خیر خواہ اور رشتے دار ہیں۔

ممانی: اور عزت سب کی سانجھی ہے تم پر کوئی حرف آئے گا تو ہم پر آئے گا۔

مسز عالم: کیا حرف آیا ہے مجھ پر؟

ایک عورت: لڑکی یہ تم ہم سے پوچھتی ہو تمہیں نہیں معلوم تم کیا کر رہی ہو اور ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں اندھا سمجھ رہی ہو۔ بڑا اتنی دیدہ دلیری سے تم نے کس کو گھر میں پال رکھا ہے ہیں۔

مسز عالم: کیا مجھ پر الزام لگا رہی ہیں؟

ایک آدمی: الزام تو بہت چھوٹی چیز ہے تم نے عزت غیرت ہر چیز بیچ کھائی ہے۔

مسز عالم: میں کہتی ہوں آپ کو اس طرح بات کرنے کا حق نہیں ہے۔

دوسری عورت: (زور سے) زبان بند کر لڑکی۔ ایک چور دوسرے چتر۔

تیسری عورت: دلہنوں کی طرح نقشے نکال رہی ہو روز بروز۔ شرم کرو کچھ۔ کوئی دوسری ہوتی تو ڈوب مرتی۔

دوسرا آدمی: ہم اپنی عزت اس طرح لٹتے نہیں دیکھ سکتے۔

مسز عالم: جب میں نے اس گھر میں فاقے کیے تو اس وقت کسی کی عزت نہیں لٹ رہی تھی لیکن اب جب میں روٹی کھانے لگی ہوں تو رشتے داروں کی عزت خطرے میں آگئی۔ یہ کیسا انصاف ہے تم لوگوں کا؟

دوسرا آدمی: یہ ایسا ہی انصاف ہے جیسا تمہارا کیریکٹر ہے۔

مسز عالم: میں نصیب جلی کا میاں تو مر گیا تھا تمہاری زبان روکنے والا۔ باپ بھی نہ رہا

تیسرا آدمی: اسی لیے تو تمہیں چھٹی ملی ہے جو چاہے کرو۔

مسز عالم: میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ.....

ماموں : یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے سلمیٰ! اس مرد کو گھر سے نکالو۔ اتنی بے عزتی تو —

مسز عالم : خدا کے لیے چپ ہو جائیے۔

(ثاقب کا ایک کلوز شاٹ۔ وہ دروازے کے پیچھے کھڑا سن رہا ہے۔ کٹ)

سین نمبر ۱۸ : کوٹھڑی

(ثاقب اپنا ایرنل، سوٹ کیس اور دوسرا سامان اٹھا کر نکلنے لگتا ہے تو مسز عالم نمودار ہوتی ہے)

مسز عالم : جا رہے ہو؟

ثاقب : (اثبات میں سر ہلاتا ہے) آپ نے جانے ہی کو تو کہا ہے۔

مسز عالم : مجھے افسوس ہے لیکن تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں کس قدر بدنامی کے دلدل میں پھنس گئی ہوں۔ عورت ہوں تنہا ہوں۔ کمزور ہوں۔ اس طرح بدنامی کے ساتھ کیسے جیوں گی۔

ثاقب : لیکن کتنی غلط باتیں ہیں یہ سب۔ کیا میرے اور آپ کے درمیان آج تک کبھی کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس پر کسی کو اعتراض ہو؟

مسز عالم : وہ تو تم جانتے ہو یا میں جانتی ہوں۔ لوگوں کو کیسے سمجھاؤں جتنی زیادہ صفائی پیش کروں گی اتنا زیادہ کیچڑ اچھلے گا۔

ثاقب : (سر ہلاتا ہے) میں نے بہت اچھا وقت گذارا ہے یہاں میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گا

مسز عالم : ہم بھی اس وقت کو نہیں بھولیں گے۔ کاش میرے بس میں ہوتا اور میں تمہیں کبھی یہاں سے جانے کے لیے نہ کہتی۔

ثاقب : وقت اب بھی ہمارے ہاتھ میں ہے ایسا بھی تو ہو سکتا ہے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہ جاؤں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے؟

مسز عالم : ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ وہ کس طرح؟

ثاقب : کیوں نہ ہم شادی کر لیں۔

مسز عالم : ثاقب ۔ (تڑاخ سے تھپڑ مارتی ہے) میں نے آج تک تمہیں اس نظر سے کبھی نہیں دیکھا۔

ثاقب : اگر آج تک اس نظر سے نہیں دیکھا ہے تو اب دیکھ لو سلمیٰ ابھی کوئی دیر نہیں ہوئی

مسز عالم : (آہستہ سے) ثاقب ! (تڑاخ سے دوسرا تھپڑ مارتی ہے اور دیکھنے لگ جاتی ہے)

ثاقب : ابھی کوئی دیر نہیں ہوئی ہے سلمیٰ !

(مسز عالم چپ چاپ دیکھتی ہے اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔ ثاقب اپنا سامان اٹھا کر سر جھکائے کمرے سے نکل جاتا ہے ۔ کٹ)

سین نمبر ۱۹ : بیوہ کا کمرہ

(ٹونی اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہا ہے ماں اسے جلدی جلدی تیار کر رہی ہے)

مسز عالم : چلو شاباش ! جلدی تیار ہو جاؤ ۔ یہ لو بیگ اپنا اور یہ پانی کی بوتل بھی رکھ لو۔ ہاں سینڈوچ میں نے بیگ کے اندر رکھ دیئے ہیں۔ ریسیس میں کھا لینا

ٹونی : او کے ۔ (آواز دے کر) انکل ۔ انک ۔ ک . . .

مسز عالم : (دکھ کے ساتھ) انکل نہیں ہیں بیٹے۔

ٹونی : انکل چلے گئے کیا ؟

مسز عالم : ہاں ۔

(ٹونی خاموشی سے دیکھتا ہے)

ٹونی : آپ چلیں گی ساتھ ؟

مسز عالم : نہیں ٹونی ۔ تم اکیلے جاؤ ۔ تم ہیڈ آف دی فیملی ہو ۔ اور تم ایسے بچے بھی نہیں ہو اب خود سڑک کراس کرنے کا حوصلہ پیدا کرو جاؤ ۔

ٹونی : اچھا امی ۔ (ٹونی ٹپ ٹپ کرتا چلا جاتا ہے)

مسز عالم: شاباش بیٹے۔ احتیاط سے جانا۔ خدا نگہبان ہے۔

(بیوہ کا کلوز شاٹ۔ وہ گہرے جذباتی انداز میں اسکول جاتے ہوئے ٹونی کو دیکھ رہی ہے) (کٹ)

سین نمبر ۲۰ : آؤٹ ڈور

(ٹونی ٹپ ٹپ کرتا آتا ہے اور ایک جگہ ایک جوہڑ کے پاس رُک جاتا ہے اسے وہاں سے سڑک کراس کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ وہ چھلانگ مارنے کے لیے پر تولتا ہے اور ابھی پار جانے کی کوشش ہی کر رہا ہوتا ہے کہ اچانک ایک ہاتھ آگے بڑھتا ہے اور ٹونی کی انگلی تھام لیتا ہے۔ ٹونی نظر اٹھا کر اوپر دیکھتا ہے۔ تو ثاقب مسکرا کر دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ٹونی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ وہ کھٹ سے بیگ کی پاکٹ سے کھلونا نکالتا ہے اور 'کلک' کر کے فوٹو کھینچتا ہے ثاقب جواباً آنکھ مارتا ہے)

(ٹونی اور ثاقب کا لانگ شاٹ۔ دونوں جا رہے ہیں۔ بیوہ کھڑکی سے دیکھ رہی ہے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک تہہ جم جاتی ہے)

.....افسوس حاصل کا

جمشید (مصنف، مرکزی کردار	———	محمود اختر
صفیہ	———	سحاب مقبول
ڈیڈی	———	لطیف کپاڈیا
صفدر	———	ہادی الاسلام
ممی	———	روشن عطا
رزاق	———	اشرف خان

رمضو، علمو اور کافی ہاؤس کے
مستقل کرداروں کے علاوہ دوسرے

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

غالبؔ

سین نمبر ۱ : ڈرئنگ روم۔

(رات کھانے کی میز پر کلوز شاٹ سے سین کا آغاز کرتے ہیں۔ رزاق کا ہاتھ کسی ایک ڈش پر پڑتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے جیسے کافی ہاؤس ہو لیکن کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے تو ڈرائنگ روم ایکسپوز ہوتا ہے۔ رزاق اور اس کا ڈیڈی کھانے کی میز پر بیٹھے ہیں۔ رزاق کھانے پر پل رہا ہے لیکن ڈیڈی انگلیوں پر حساب کتاب شمار کر رہا ہے)

ڈیڈی: باوِیس نے آٹھ تیس اور بیس پچاس نے بیس ستر اور دس اسی۔

رزاق: ڈیڈی کھانا!

ڈیڈی: (کھانے کو نظر انداز کرتے ہوئے) اِسی ہجار کا لوس ہو گیا نی یہ سب تیرا کیا دھرا ہے

رزاق: میرا ڈیڈی؟

ڈیڈی: اور کیا نی میرا!

رزاق: لیکن ڈیڈی میں نے سودا ہی نہیں کیا ہے پھر لوس کیسا؟

ڈیڈی: ارے چریا نی چریا۔ یہی تو لوس ہے ناں باوے۔ بجنس کب آئیں گا تیرے کو جب تم سودا ہی نہیں کریں گا تو پرافٹ نہیں ہوئیں گا۔ اور پرافٹ نہیں ہوئیں گا تو لوس ہوئیں گا لوس۔ یہ سودا تو نے چھوڑ دیا نی۔ اسی ہجار کا لوس کر دیا۔

رزاق: ڈیڈی کھانا۔ مجھے بھوک لگی ہے۔

ڈیڈی : ارے ماں کو تو آنے دے نی پگلے۔

رزاق : ماں کو بھوک نہیں ہے ڈیڈی مجھے معلوم ہے جب تک جمشید نہیں آئے گا ماں کھانا نہیں کھائے گی اور مجھے بھوک لگی ہے۔

ڈیڈی : ارے کھائیں گی کیسے نی۔ ارے ہم تم کوئی فالتو آدمی ہیں۔ مریم او مریم۔ مریم مریم۔ ارے آؤ نی رجاق کو بھوک لگی ہے۔

ممی : تم لوگ کھاؤ میں جمشید کے ساتھ کھاؤں گی۔

رزاق : بولا تھا ناں۔

ڈیڈی : ٹھیک بولا تھا۔ پن یہ جمشید شالا ہوتا کہاں نی اتنی دیر؟ (کٹ)

سین نمبر ۲ : گاؤں۔ آؤٹ ڈور

(ایک طویل پگڈنڈی پر جمشید اور صفیہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نہایت ہی رومانٹک انداز میں دوڑتے ہوئے آرہے ہیں اور سبزہ زاروں میں گھری ہوئی ایک جھونپڑی کے باہر پہنچتے ہیں دونوں کی سانس پھولی ہوئی ہے وہ بہت خوش اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں)

جمشید : یہاں کتنا سکون ہے نوری۔

ایک لڑکی : کاش یہ سکون ہمیں مل جائے جمشید۔

جمشید : اس وقت تو یہاں کی ہر شے ہمارے قبضے میں ہے نوری یہ ہوا یہ درخت یہ سبزہ یہ کھلا آسمان یہ پوری فضا جس میں کوئی رنگ کچا نہیں ہے جس کے اندر کوئی بناوٹ کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہمارا ہے نوری۔

لڑکی : لیکن یہ ہمیشہ ہمیشہ ہمارا نہیں رہ سکتا۔

جمشید : کیوں نہیں نوری۔ آؤ ہم جھوٹ مکر اور فریب کی دنیا کو خیرباد کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں آباد ہو جائیں اور یہاں کی ہر چیز کو اپنا لیں۔

لڑکی : یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جمشید : کیوں نہیں ہو سکتا۔ میں کھیتی باڑی کروں گا۔ سبزی اگاؤں گا۔ اناج پیدا کروں گا مال مویشی پالوں گا۔ اور اور جو کچھ ہو سکا کروں گا نوری۔

لڑکی : اور میں کیا کروں گی؟

جمشید : تم تم میرے ننھے منے پیارے پیارے بچوں کو پالوگی۔ کیا بات ہے شرمائی نہیں ہوتم نوری نوری نوری۔ اف میرے خدایا نوری (کٹ)

سین نمبر ۳ : کافی ہاؤس۔

(جمشید اسکرپٹ کی آخری سطر پڑھتا ہے۔ اور یہاں انکشاف ہوتا ہے کہ دراصل جمشید ناول سنا رہا تھا جو کہ ہم نے VISUAL دکھا دیا)

جمشید : (پڑھتے ہوئے) اور اس نے جب نوری کو چھوا تو وہ مٹی کے کسی نرم بے جان تودے کی طرح بکھر کر زمین پر گر گئی (صفدر سے) چیپٹر یہاں ختم ہو جاتا ہے

(چیپٹر ختم کر کے جمشید آنکھیں ملتا ہے صفدر سگریٹ نکال کے سلگاتا ہے)

صفدر : ہونہہ!

(دونوں چپ چاپ خاموش ہو کر سوچتے ہیں اور صفدر کی نگاہ دوسری میز پر جاتی ہے جہاں اس کے دوست بجنی، آرٹسٹ، صحافی، انشورنس ایجنٹ، انقلابی اور دوسرے اسٹاک آرٹسٹ موجود ہیں بجنی دور سے صفدر کو وش کرتا ہے)

بجنی : (پکار کر) صفدر صاحب! آج ادھر کو ہی رہے گا دیدۂ اختر کھلا

صفدر : ہیلو بجنی۔ ہیلو ایوری باڈی۔

صحافی : یار صفدر نے بہت بور کیا ہے ایک تو شہر سے دو مہینے غائب رہا۔

بجنی : اور پھر آیا تو اس لونڈے سے دوستی لگالی۔

صحافی : بھئی صفدر اُسے بھی اپنے جیسا بڑا ناول نگار بنانے پر تلا ہوا ہے۔

آرٹسٹ : (تصویر بناتے ہوئے) ایک بات بتاؤں۔ اِس نوجوان جمشید میں ٹیلنٹس ہیں بہت

انشورنس ایجنٹ : اور ٹیلنٹس کی حفاظت کے لیے ضروری ہے....

آرٹسٹ : (کاٹ کر) کہ ٹیلنٹس کا بیمہ کرا لیا جائے۔

رمضو : (انقلابی سے) یہ آپ کا بل ہے سر!

صحافی : (سی آئی ڈی والے کی طرف اشارہ کر کے) یہ ان صاحب کو دے دو۔

رمضو : بہت بہتر (کٹ)

رمضو : (سی آئی ڈی والے سے) یہ آپ کا بل ہے صاحب۔ اور یہ بھی ایک بل ہے۔

سی آئی ڈی : یہ کیسا بل ہے رمضو!

رمضو : یہ انہوں نے دیا ہے۔ کامریڈ سبحانی نے۔

سی آئی ڈی : (حیرت سے) میں کیا کروں اسے ؟

رمضو : ہنہ نہیں جی۔ انہوں نے دیا ہے کہ آپ ادا کر دیں۔

سی آئی ڈی : (حیرت سے) میں ادا کروں ؟ میرا اس بل سے کیا تعلق ؟

سبحانی : : (پکار کے) چچا یار اس کو بھی کھاتے میں لگا دو تمہارے گھر سے کیا جاتا ہے ؟

سی آئی ڈی : (غصے میں) ہٹاؤ اسے یہاں سے۔

(بھنا کر ایک کاغذ پر کچھ لکھنے لگتا ہے۔ سب ہنسنے لگتے ہیں (کٹ)

(جمشید اور صفدر کی میز)

صفدر : (سمجھا رہا ہے) دیکھو جمشید ناول یا افسانے کی پہلی اہمیت اس بات کی ہے کہ قاری مصنف کی گرفت میں ہے کہ نہیں۔ اگر رائٹر قاری کو گرفت میں نہیں رکھ سکتا ہے تو یہ اس کی ناکامی ہے۔ دوسرے یہ کہ کردار میں خود کو شامل نہ کرو اور کہانی کو آپ بیتی نہ بننے دو۔

(معاً ایک ورکر سلیمان کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے)

جمشید : فرمایئے!

سلمان : (سلام کر کے) میرا نام سلمان ہے جی۔ میں معافی چاہتا ہوں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں لیکن اور کہیں ملاقات نہ ہو سکی۔ بہت ضروری کام تھا آپ سے۔

جمشید : کیا بات ہے۔ بتایئے۔

سلمان : یہ جی ذرا ایک نظر میری درخواست پر ڈالیں (کٹ)

سین نمبر ۴ : دفتر

(جمشید اندر داخل ہوتا ہے تو اشفاق کرسی سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اپنی کرسی

بیٹھنے کے لیے پیش کرتا ہے لیکن جمشید سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہے)

اشفاق: ادھر بیٹھیے سر!

جمشید: بیٹھئے بیٹھئے۔ یہ فورمین سلمان کا کیا قصہ ہے؟

اشفاق: سر اسے ٹرمینیٹ کر دیا ہے۔

جمشید: کیوں ٹرمینیٹ کر دیا ہے اشفاق صاحب؟

اشفاق: سر وہ بہت گڑبڑ آدمی تھا ہیڈرک بنا ہوا تھا۔

جمشید: یہ کوئی چارج نہیں ہے۔ اشفاق صاحب۔ میں نے پوری انوسٹی گیشن کر کے اس کا کیس تھروّلی اسٹڈی کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ زیادتی کا شکار ہوا ہے (دستک ہوتی ہے) کم ان (سلمان اندر آتا ہے) مسٹر سلمان اشفاق صاحب آج ہی آپ کو بحالی کا لیٹر دے رہے ہیں۔

اشفاق: لیکن سر۔ صاحب نے...

جمشید: صاحب کو میرا بتا دینا کہ میں نے ری انسٹیٹ کے لیے کہا تھا۔ (کٹ)

سین نمبر ۵ : گھر

ڈیڈی: ارے کھانا کھراب نے، کھانا خراب نے کھانا کھراب کر دیا تو نے میرا۔

جمشید: اس آدمی کے پانچ بچے اور آٹھ سال کی سروس تھی ڈیڈی جس کا آپ نے خانہ خراب کر دیا تھا۔

ڈیڈی: ارے تو چاچا لگتا ہے نی اس کے بچوں کا سارے میں نے اس کو نکالنے کے لیے کتنا وخت کیا ہے۔ ارے اتنا ڈھیر پیسہ لگایا پھر نکالا اس کو۔

جمشید: کیوں ڈیڈی۔ کیوں؟

ڈیڈی: یہ میرا پرابلم ہے۔ جمشید تیرا نہیں۔

جمشید: کیا آپ کے پرابلم میرے پرابلم نہیں ہو سکتے ڈیڈی؟

ڈیڈی: دیکھو جمشید تمہارا پروبلم میرا پروبلم ایک ہے۔ پن کام کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ تم ابھی اناڑی ہے وہ فورمین گڑبڑ تھا روز یونین کا چکر چلاتا تھا۔

جمشید: تو کیا ہوا۔ یونین بنانا یا اس کے معاملات میں دلچسپی لینا تو ہر ورکر کا قانونی حق ہے

ڈیڈی: ارے بجنس مین کا بیٹا بن جمشید۔ جونین ہے پر دو طرح کا یونین ہوتا ہے نی ایک گڑ بڑ جونین ہوتا ہے ایک دوسرا ہوتا ہے اچھا والا۔ اچھا والا جونین تو ہم خود بنائیلا ہے۔

جمشید: گویا پاکٹ یونین۔

ڈیڈی: آشاباشے۔ پاکٹ یونین اس پاکٹ سے نکالو اس میں ڈالو۔ اور جب ضرورت نہ ہو تو کچرے کے ڈبے میں ڈال دو، پن ساتھ ہی دوسرا آدمی تیار رکھو۔ اس کو ہوا بھرو۔ جونین جروری ہے مگر۔

جمشید: مگر لڑاتے رہو آپس میں۔

ڈیڈی: لڑاتے رہو۔ اور کام کرتے رہو۔ یہی بجنس ہے سمجھے۔ ادھر ابھی تم کوئی پھیلے نہیں کرو۔ ہم منع کر دیا ہے تمہارا کوئی پھیصلہ نہیں چلے گا۔ بس کھوب کام سیکھو کام۔

جمشید: اف خدایا۔ کہاں پھنس گیا ہوں میں (باہر چلا جاتا ہے)

ڈیڈی: ارے مریم۔ نی مریم سارے کیا کرے گی اس چھوکرے کا۔ میری تو سمجھ میں نہیں پڑتا ہے تم کچھ بتاؤ۔

ممی: بس کیا بتاؤں:

ڈیڈی: ارے میں بتاتا ہوں نی۔ ارے اس کا شادی کر دوں ہاں۔ شادی (کٹ)

سین نمبر ۱۶: کافی ہاؤس۔ رات

جمشید صفدر کو ناول کا کوئی بہت ہی رومانٹک باب سنا رہا ہے جس میں کچھ شادی بیاہ کا منظر وغیرہ ہے اور ہم اس منظر کو پچھلے سین سے ملا کر VISUAL بنا دیتے ہیں ناول سناتے سناتے اچانک جمشید کی نگاہ سامنے دروازے کی طرف پڑتی ہے دروازے میں صفیہ کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ جمشید کی توجہ اسکرین سے ہٹ جاتی ہے۔ صفدر مسکراتا ہے۔ جمشید اپنی گھڑی پر وقت دیکھتا ہے۔

صفدر: اب تم جاؤ جمشید۔ باقی پھر سنا دینا۔

جمشید : وہ بات یہ ہے صفدر صاحب کہ وہ .....

صفدر : (کاٹ کر) بات یہ ہے کہ تمہارے دو پلاٹ ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اور دونوں میں تم برابر سنجیدہ ہو۔ جاؤ تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۷ : کار۔ رات۔

(جمشید اور لڑکی دونوں کار میں جا رہے ہیں ہم منظر کو کار کے اندر سے لیتے ہیں۔ کار کہیں کہیں کسی چوک پر رکتی ہوئی جاتی ہے۔ جمشید اور لڑکی کچھ دیر تک چپ چاپ سفر کرتے ہیں پھر لڑکی خاموشی توڑتی ہے)

صفیہ : کیا تمہیں یقین آگیا تھا؟

جمشید : کس بات کا؟

صفیہ : یہی کہ میں اس وقت امی کی دوا لینے گھر سے نکلی تھی۔

جمشید : نہیں۔

صفیہ : اس کا مطلب ہے میں نے جھوٹ بولا تھا۔

جمشید : نہیں۔

صفیہ : پھر؟

جمشید : دونوں باتیں ہیں۔ دوا ختم ہو گئی ہو گی۔ تم دوا لینے نکلیں۔ پھر خیال آیا کہ کافی ہاؤس ابھی تک کھلا ہے جھانک لیا جائے کہ شاید۔

صفیہ : یعنی اس وقت کافی ہاؤس میں میری آمد محض اتفاق تھی۔

جمشید : (سنجیدہ ہو کر) نہیں صفو۔ تم اور میں جن راستوں پر چل رہے ہیں وہ محض اتفاقیہ راستے نہیں ہیں۔ یہ ہمارے نکالے ہوئے تلاش کیے ہوئے کھوجے ہوئے راستے ہیں جن پر ہم نے بہت سنجیدگی سے قدم رکھا ہے۔ تمہارا ایثار مجھ سے بہت زیادہ ہے۔

صفیہ : وہ کس طرح جمشید۔

جمشید : اس طرح کہ عشق و محبت ایک فل ٹائم جوب ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جن کے پاس

کوئی کام کرنے کو نہیں ہوتا وہ محبت جیسے فرسودہ شغل میں مصروف ہوتے ہیں لیکن تم ۔ تم نے اپنے ناتواں کندھوں پر گھر کا بوجھ بھی اٹھا رکھا ہے اور مجھ جیسے فضول آدمی کا وہ خیال بھی رکھتی ہو جسے محبت کہتے ہیں ۔

صفیہ : تم خود کو فضول کیوں سمجھتے ہو جمشید ۔ تمہارے ڈیڈی کا اتنا بڑا کاروبار ہے اس میں ڈیڈی کا ہاتھ بٹاؤ ۔

جمشید : ڈیڈی کا کاروبار مجھ سے نہیں چل سکتا ۔ ان کا نقطہ نظر میری سوچ سے بالکل مختلف ہے

صفیہ : بڑوں کے نقطہ نظر کو بڑوں کی عینک سے دیکھنا ہوتا ہے جمشید ۔ میں سارے گھر کی دیکھ بھال کرتی ہوں ۔ بیمار ماں کی خدمت ۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش ، گھر کا خرچ ، انتظام ہر شے کی ذمہ داری پوری کرتی ہوں لیکن پھر بھی امی کو میری آزادی اور میل جول پسند نہیں ہے ۔

جمشید : کیا مجھے بھی ناپسند کرتی ہیں وہ ؟

صفیہ : اس بات کا انہوں نے کبھی اظہار نہیں کیا ۔ لیکن محلے والوں کی باتوں کا انہیں بھی خیال ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ میں تم سے ....

جمشید : دکاٹ کر ، ملنا جلنا بند کر دوں ؟

صفیہ : نہیں ۔ وہ چاہتی ہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں ۔

(جمشید کے چہرے پر مسرت و شادمانی ، وہ بریک کی ایک کرخت چیخ سے گاڑی روکتا ہے ۔ عجیب پر مسرت نظروں سے صفیہ کی طرف دیکھتا ہے ۔ ذرا سی اس کے گردن کی جنبش پر ہم کٹ کر کے گاڑی سے باہر آجاتے ہیں ۔ ڈکٹ)

(گاڑی کے باہر کا انسرشن ۔ گاڑی کچھ دیر کھڑی رہتی ہے پھر ریورس گیئر لگا کر پیچھے ہٹتی ہے اور پھر آگے جاتی ہے ۔ پھر پیچھے ہٹتی ہے اور پھر زور سے آگے نکل جاتی ہے ڈکٹ)

سین نمبر ۸ : ڈرائنگ روم ۔ رات

(ڈیڈی کچھ کاغذات سامنے بکھیرے ٹیبل لیمپ جلائے جاگ رہا ہے اور انگلیوں پر ورد کرنے کے انداز میں کچھ حساب کر رہا ہے ۔ جمشید دبے قدموں اندر داخل ہوتا ہے اور

ڈیڈی کو بیٹھا دیکھ کر ذرا جھجکتا ہے اور چپ چاپ سائیڈ کے دروازے کی نوب گھما کر اندر جانا چاہتا ہے لیکن دروازہ مقفل ہے)

ڈیڈی : کہاں سے آ رہے ہو؟

جمشید : کافی ہاؤس سے۔

ڈیڈی : یہ سالا کافی ہاؤس کیا بلا ہے جہاں تم اکھا دن اکھا رات رہتا ہے۔

جمشید : یہ بھی ایک ہوٹل ہے سمجھ لو۔ ریسٹورنٹ۔

ڈیڈی : تم ایک بجنس مین کا بیٹا ہے کسی موالی کا نہیں جمشید۔

جمشید : کیا کافی ہاؤس میں بیٹھنے سے آدمی موالی ہو جاتا ہے ڈیڈی؟

ڈیڈی : ہو نہیں جاتا ہوتا ہے۔ ہوٹلوں میں بیٹھنے اور کھانے پینے والا اکھا لوگ موالی ہوتا ہے۔

جمشید : آخر آپ بھی تو اتنے کلبوں کے ممبر ہیں۔

ڈیڈی : چریا ہو گیا ہے نی تو۔ تیرے کو بھی کلب کا ممبر بننے سے کس نے منع کیا ہے تو بھی بن جا ممبر۔

جمشید : تو پھر کافی ہاؤس میں جانے سے کیوں روکتے ہیں آپ؟

ڈیڈی : .... اب تیرے ساتھ کون مکت خراب کرے نی۔ ارے چریا کلب میں بجنس ہے بجنس دھندا ہے کلب میں کافی ہاؤس میں کیا ہے تیرے کو؟

جمشید : کافی ہاؤس میں علم و ادب ہے تہذیب ہے ثقافت ہے صبر اور قناعت پسندی ہے۔ دوستی صلح بھائی چارہ انسانی ہمدردی خلوص ایثار اور محبت۔

ڈیڈی : ارے رے رے کوئی ہے کوئی رے اومریم مریم او رجاق ارے دیکھو نی اس کی کھوپڑی الٹی ہو گئی ہے یہ چریا ہو گیا ہے یہ کونسی بولی بول رہا ہے (کٹ)

سین نمبر ۹ : کافی ہاؤس کا کیبن (مونتاژ)

(فیس ٹو فیس کٹ۔ جمشید اور صفیہ) (کلوز شاٹ)

(جمشید لکھ رہا ہے اور الجھا ہوا ہے صفیہ منہ دیکھ رہی ہے)

جمشید: (انگلی اٹھا کر) ایک منٹ صفیہ۔

صفیہ: بہت الجھ گئے کیا؟

جمشید: کریکٹر الجھ گیا ہے۔

(کٹ کر کے گھر میں ڈیڈی کا چہرہ دکھاتے ہیں)

ڈیڈی: یہ فکر پھنس گیا ہے رجاق (کٹ کر کے کافی ہاؤس)

جمشید: یہ ناول اگر ایسا بن گیا جیسا میں چاہتا ہوں تو دیکھنا صفیہ ادب میں نام رہ جائے گا

(کٹ کر کے گھر)

ڈیڈی: اس پراجیکٹ کو کمپلیٹ ہونے دو۔ رجاق ایمان سے تیرا باپ سب کو فلیٹ کر دے گا

(کٹ کر کے کافی ہاؤس)

جمشید: دراصل یہ پلاٹ ہی بہت نازک اور پیچیدہ ہے صفیہ۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۰ : گھر

ڈیڈی: دو ہزار گز کا پلاٹ ہے کمرشیل پلاٹ جمشید۔ اس کو سنبھال لے تو۔

جمشید: سمجھ نہیں آتا۔ کس طرح سنبھالوں ڈیڈی۔

ڈیڈی: بجنس مین کا بیٹا بن کر سنبھال۔ میرے سے نہ پوچھ۔ ایک پلاٹ کا دو اور دو کا گیارہ بنا دیوانے۔ اور اس دولت کو بڑھا کر۔ آگے بڑھا بجنس کو اور جس طرح میں نے باپ کا نام روشن کیا ہے۔ اس طرح تو بھی میرا نام روشن کر تاکہ تو باہر نکلے تو لوگ دیکھیں کہ ہاں لطیف سیٹھ کا بیٹا جا رہا ہے جیسے میرے کو دیکھ کر بولتے تھے کہ وہ صالح محمد کا بیٹا جا رہا ہے۔

جمشید: یہ کام آپ نے رزاق کے سپرد کر رکھا ہے اسے کرنے دیں ڈیڈی۔

(ڈیڈی کے چہرے پر مایوسی کٹ)

سین نمبر ۱۱ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس کچھا کچھ بھرا ہوا ہے مختلف میزوں پر مختلف ٹکڑیوں میں لوگ جمع ہیں حسب معمول ایک میز پر بھی اینڈ کمپنی ہے۔ جہاں شعر و ادب کی محفل جمی ہوئی ہے

گفتگو سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ واہ واہ کی نمایاں آواز آ رہی ہے۔ کونے والی میز پر جمشید اور صفیہ گوشہ نشین ہیں ۔ جمشید کاغذات کی فائل سامنے رکھے ہوئے صفیہ سے بات چیت کر رہا ہے۔ کافی ہاؤس کا سرسری سا جائزہ لے کر کیمرہ کاؤنٹر پر جاتا ہے)

علم دین : ارے واہ واہ واہ واہ۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ

رمضو : کیا ہو گیا علمو، کیا ہو گیا؟

علم دین : واہ واہ رمضو میاں۔ واہ واہ نجمی صاحب نے شعر سنایا مزا آ گیا ایمان سے۔

رمضو : اچھا اتنا اچھا شعر سنایا؟

علم دین : ارے پوچھو مت۔ اتنا اچھا شعر ہم نے آج تک نہیں سنا۔

رمضو : لیکن شعر کیا تھا علم دین؟

علم دین : بھئی یہ تو مجھے معلوم نہیں رمضو میاں۔ پر شعر خوب تھا دونوں ہنستے ہیں، پریمی جوڑے کی داد کافی ہے۔ (کیمرہ میز کی طرف جاتا ہے)

(جمشید اور صفیہ کی میز)

صفیہ : آؤ جمشید یہاں سے کہیں چلیں۔

جمشید : کافی منگوائی ہے میں نے۔

صفیہ : کافی کہیں اور نہ پئیں؛ میرا اس بھیڑ میں ....

جمشید : میں سمجھتا ہوں صفو لیکن صفدر صاحب کو وہاں سے نکلنے دو ایک باب انہیں سنانا چاہتا ہوں۔

صفیہ : صفدر صاحب آج بُرے پھنسے ہوئے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے۔

جمشید : لیکن مجھے رکنے کو کہا ہے (اچانک ششدر رہ جاتا ہے) شی شی

لڑکی : کیا بات ہے؟

(جمشید کا ڈیڈی دروازے سے داخل ہوتا ہے اور ادھر ادھر نگاہ دوڑانے کے بعد دھیرے دھیرے جمشید کے پاس آ جاتا ہے جمشید کی جیسے روح فنا ہو جاتی ہے۔ ڈیڈی ایک ترچھی سی نگاہ صفیہ پر ڈالتا ہے)

ڈیڈی : ہونہہ یہ کافی ہاؤس ہے بڑے اچھی جگہ ہے۔ جمشید پن ایک کام کر اس کو خرید لے
ناں۔ توڑ کر بنا اس کو نیچے دوکان نکال۔ اوپر اوپھس بنا۔ کافی ہاؤس کو بھی
کھلے رہنے دے پن ایسے نہیں ائر کنڈیشن کرا سے۔ ایک دم پھسٹ کلاس۔
ادھر بیٹھ بھی اور پیسہ بھی کما۔ کیوں کیا کھیال ہے تیرا؟

(ڈیڈی پلٹتا ہے تو جمشید اور لڑکی باہر کے دروازے سے جا رہے ہیں۔ جمشید کے اس رویے سے ڈیڈی کے چہرے پر سخت غصہ اور جلال ہے وہ بے قابو ہو کر زور سے ٹیبل پر مکا مارتا ہے۔ مکے کی آواز سن کر علم دین لپک کر آتا ہے)

علم دین : جی صاحب۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۲ (گھر)

(جمشید کرسی پر بیٹھا ہے۔ ماں کھڑی سر پر ہاتھ پھیر رہی ہے۔ باپ سامنے کھڑا ہے باپ اکھڑا ہوا ہے ماں کے لہجے میں محبت ہے)

ممی : جمشید بیٹے۔ اپنے باپ کی بات کا جواب دو۔

جمشید : میں کئی بار بتا چکا ہوں ممی۔ میں وہ کچھ نہیں کر سکتا جو ڈیڈی اور رزاق کرتے ہیں
ممی اشارے سے ڈیڈی کو روکتی ہے۔

ممی : لیکن تم بھی تو فیصلہ کر دو بیٹے آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔

جمشید : میں تخلیق کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک ایسا ناول لکھ رہا ہوں جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لکھا ہو گا۔ کم از کم میری کوشش یہی ہو گی۔

ڈیڈی : اس میں پیسہ تیرے کو کتنا ملے گا؟

جمشید : اس میں پیسہ نہیں ملے گا۔

ڈیڈی : (شور کرتے ہوئے) سن لو، سن لو، مریم سُن لو۔ پیسہ نہیں ملے گا پن کھوپڑی کھراب کر رہا ہے ابھی کھود سن لو۔

ممی : تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں بیٹے۔

جمشید : تو پھر بہتر ہے پہلے ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں ممی۔

(جانے لگتا ہے)

ڈیڈی: (غصے میں) ٹھہرو جمشید۔ آج تم کو فیصلہ کرنا ہوئیں گا۔ اس چنڈو مارکیٹ میں جانا چھوڑیں گا کہ نہیں تو۔

جمشید: اور کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟

ڈیڈی: کاروبار، بیوپار، بزنس۔

جمشید: نہیں ڈیڈی یہ بہت ٹیڑھا بزنس ہے۔ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔

ڈیڈی: وہ لڑکی کون ہے؟

جمشید: دوست ہے میری۔

ڈیڈی: تیری۔۔۔ یا تیرے باپ کے پیسے کی۔

جمشید: آپ کا قصور نہیں ڈیڈی۔ آپ پیسے کے علاوہ اور کچھ سوچ نہیں سکتے۔

ڈیڈی: کتنا پیسہ کھایا ہے اس نے تیرے سے؟

جمشید: وہ ایک محنت کرنے والی شریف لڑکی ہے۔

ڈیڈی: ہاں۔ ہوٹلوں کے اندر مردوں کے بغل میں بیٹھنے والی لڑکیاں شریف نہیں تو اور کیا ہوتی ہیں؟

جمشید: آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں۔ (جانے لگتا ہے)

ڈیڈی: میری بات سن کر جا چھوکرے۔ میں اپنی دولت آوارہ لڑکیوں پر کھرچ نہیں ہونے دوں گا۔

جمشید: مجھے آپ کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں۔

ڈیڈی: سوچ لے اچھی طرح۔

جمشید: سوچ لیا ہے۔

(جمشید جانے کے لیے مڑتا ہے اور پلٹ کر چابیاں اٹھانے لگتا ہے لیکن چابیوں پر ڈیڈی پاؤں رکھ دیتا ہے (جمشید کے تاثرات)

(کٹ)

سین نمبر ۱۳ : کافی ہاؤس۔

(کافی ہاؤس شباب پر ہے مختلف میزوں پر لوگ اپنی اپنی ٹولیوں میں مصروف گفتگو ہیں۔ انشورنس ایجنٹ گیٹ سے داخل ہوتا ہے اور مختلف میزوں پر دور سے وِش کرتا ہوا سیدھا جمشید اور صفیہ کی میز پر آجاتا ہے)

انشورنس ایجنٹ: ہیلو ہیلو۔ لوائز اینڈ گرلز ٹوگیدر۔

جمشید: ہیلو لونلی انکل۔

ایجنٹ: ارے ہمارا لونلی انکل۔ آج بہت خوش ہے چائے پلاؤں گا (آواز دیتا ہے) علمو

جمشید: آج کیا بات ہو گئی انکل۔

ایجنٹ: بیمہ کر کے آرہا ہوں۔

جمشید: پھر تو ہم آپ کو چائے پلائیں گے بیٹھئے۔

ایجنٹ: نو نو۔ چائے ہماری اور باتیں تمہاری۔۔ بی ہیپی۔ علمو۔

علمو: جی صاحب۔

ایجنٹ: ادھر دو چائے لاؤ اور بل ہماری میز پر (انکل جاتا ہے)

علمو: صاحب آج تو پیسٹری بھی منگوائیں۔

جمشید: کیوں کاہے کو؟

علمو: اخبار میں آپ کی اے ون فوٹو آئی ہے جناب۔

جمشید: میری فوٹو؟

علمو: اور کیا میری آئے گی (اخبار دیتا ہے) یہ دیکھئے۔

(جمشید فوٹو دیکھ کر اخبار کا اشتہار زیرِ لب پڑھتا ہے اس کے چہرے کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے)

لڑکی: کیا بات ہے جمشید، کیا ہے اخبار میں؟ (خاموشی)

جمشید: ڈیڈی نے مجھے عاق کر دیا ہے (زہر خند انداز میں) اب میں ایک کنگال ہوں لڑکی ٹکر ٹکر جمشید کی طرف دیکھنے لگتی ہے دونوں چپ دم بخود رہ جاتے ہیں

لڑکی : بہت برا ہوا جمشید۔

جمشید : پوائنٹ آف نو ریٹرن۔

لڑکی : تمہیں ڈیڈی سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے تھا جمشید۔

جمشید : نہیں ہو سکتا تھا صفو، ان کے راستے بالکل جدا ہیں۔ ان کی ویلیوز اور ہیں۔ وہ شعر و ادب افسانے ناول کو اگر کچھ سمجھتے ہیں تو فضول چیز سمجھتے ہیں وہ سوائے کاروبار کے کوئی رشتہ کسی کے ساتھ رکھنا نہیں چاہتے وہ یہاں تک بے اعتماد ہیں کہ ان کے نزدیک تم بھی مجھ سے نہیں میری دولت سے محبت کرتی ہو حالانکہ....

لڑکی : ان کا خیال ٹھیک ہے جمشید۔

جمشید : (حیرت و استعجاب سے) کیا کہا تم نے؟

لڑکی : ان کا خیال ٹھیک ہے وہ ایک حقیقت پسند آدمی ہیں۔ آخر میں نے جو پوری دنیا کو چھوڑ کر تمہاری طرف محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ تو وہ تمہاری دولت ہی کی کشش تھی۔ جمشید....

جمشید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ جاتی ہیں۔ اُسے شدید صدمہ پہنچتا ہے وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے لڑکی کی طرف دیکھتا ہے (کٹ)

حصہ دوم

سین نمبر ۱۴۔

(ممی ڈیڈی اور رزاق سیٹ پر ہیں۔ جمشید کی تصویر کے کلوز شاٹ سے سین کا آغاز ہوتا ہے۔ ممی جمشید کی تصویر کو صاف کرتی ہے اور اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ دو آنسو بہہ جاتے ہیں۔ وہ پلو سے پلک صاف کرتی ہے۔ ڈیڈی توجہ سے دیکھ رہا ہے)

ڈیڈی : رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں مریم جو چیز اس گھر کی نہیں ہے اس کو بھول جاؤ۔ آخر آدمی مر بھی تو جاتا ہے (رزاق سے) رجاق! اپنی ماں کو بتاؤ کھاریا جی ہمارے ساتھ کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے ہمارے ساتھ کھاریا جی کی ہے یہ ایک

بجنس فیملی ہے اس میں بجنس پہلے ہوئیں گا باقی چیز بعد میں ہوئیں گا۔ ہم نے اس کو کوبھی ہاؤس میں بیٹھنے سے منع نہیں کیا پن بولا کہ بجنس مین بن کے بیٹھو ہم نے اس کو چھوکری کے ساتھ گھومنے سے منع نہیں کیا۔ بھلے یاری لگاؤ۔ پن بجنس مین بن کے لگاؤ۔ بھلے شادی کرو پن بجنس مین بن کے کرو۔ اس نے ہماری کوئی بات نہیں مانی۔ کھارباجی میں آگیا۔ کھارباجی ہمارے ساتھ کوئی بیئس کر سکتا ہم نے اس کو ایسا سبق دیا ہے کہ اکھا جندگی یاد رکھے گا۔ ماہی مانگے گا ناک رگڑے گا۔ تو دیکھنا مریم۔ ہاں مریم۔

ممی : (زِچ ہو کر) رز رزاق خدا کے واسطے اپنے باپ سے کہو کہ چپ ہو جائے۔
(ڈیڈی حیرت سے دیکھتا ہے) (کٹ)

سین نمبر ۱۵ : خالہ حشمت اور صفیہ کی امی

خالہ حشمت : دیکھو آپا جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب آگے کی بات کرو۔ خدا کے فضل سے رحیم کی تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے۔ نوکری بھی پکی ہے۔ فرمانبردار ہے کہ اب بھی میرے کہنے میں ہے ورنہ کماؤ لڑکے کا کیا کسی وقت ادھر اُدھر ہو سکتا ہے۔

امی : تمہاری بات ٹھیک ہے حشمت لیکن مجھے کچھ مہلت دو۔ میں نے صفیہ سے کھل کر بات نہیں کی ابھی۔

حشمت : بچوں سے زیادہ کھل کر بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ اشارے کافی ہوتے ہیں۔ فیصلہ وہی صحیح ہو گا جو تم کرو گی۔

امی : تم اچھی طرح جانتی ہو حشمت صفیہ کے سوا میرا کون ہے دنیا میں۔ وہ میرا بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی۔

حشمت : وہ میں مانتی ہوں جب بیٹی کما کر لائے تو بیٹا کہلاتی ہے لیکن بیٹی بیٹی ہوتی ہے بیٹا نہیں بن سکتی۔ چاہے کچھ بھی کر لے اور کتنا ہی کما لے بہن۔ ایک نہ ایک دن بیاہنا پڑتا ہے۔

امی : (سختی سے) میں نے کب کہا کہ میں اسے بیٹا بنا کے گھر رکھنا چاہتی ہوں تم عجیب

باتیں کر رہی ہو۔ یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا؟

حشمت: طریقہ مجھے آتا نہیں ہے بہن۔ مگر بات میں کھری کر رہی ہوں وہ تیرے کنبے کو پال رہی ہے تیری خدمت کر رہی ہے سب ٹھیک ہے مگر اس کی زندگی کا بھی کچھ خیال ہونا چاہیئے۔

امی: حشمت! آخر تم گھر سے کیا سوچ کے نکلی ہو آج کیا تمہیں میری بیٹی کا مجھ سے زیادہ خیال ہے۔

حشمت: خیال نہ ہوتا تو اتنا انتظار کرتی اور نہ اتنا کچھ برداشت کرتی۔

(معاً صفیہ سامنے آتی ہے)

صفیہ: امی کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے خالہ ایسی باتوں سے اور بگڑ جائے گی۔

حشمت: (صفیہ کو نظر انداز کر کے) سوچ لینا تم اچھی طرح۔

(حشمت چلی جاتی ہے صفیہ بھی دفتر کے لیے جانے لگتی ہے)

امی: صفیہ تم نے سنا؟

صفیہ: مجھے دفتر سے دیر ہو رہی ہے امی۔

امی: میری بات کا جواب دے کر جاؤ صفیہ۔ میں جب بات کرتی ہوں تم ٹال جاتی ہو تمہارے سامنے وہ کتنی باتیں سنا کر گئی ہے۔

صفیہ: آپ اتنی باتیں کیوں سنتی ہیں امی۔

امی: کوئی کسی کی زبان تو نہیں پکڑ سکتا۔ لوگ کہتے ہیں میں جان بوجھ کر تمہاری شادی نہیں کر رہی ہوں۔

صفیہ: لوگ کون ہوتے ہیں امی۔ وہ میری ذات میں سو طرح کے کیڑے نکالتے ہیں میرے کریکٹر پر شبہ کرتے ہیں اور مجھے بیاہنا بھی چاہتے ہیں آخر کیوں انہوں نے تو کبھی آپ سے یہ نہیں کہا کہ وہ شادی کے بعد مجھے نوکری سے منع کریں گے۔

امی: نہ کریں رسسرال والوں کی مرضی پر ہوتا ہے۔

صفیہ: واہ یہ کیا بات ہوئی۔ آخر میری مرضی بھی تو کوئی چیز ہے۔

امی : (زِچ ہوکر) تو مرو نہ پھر۔ اپنی مرضی سے ہی کرو۔ مجھے کیوں ستاتی ہو۔ لوگ یہ تو نہ کہیں کہ میں نے کمائی کے لیے تمہیں بٹھا رکھا ہے۔

صفیہ : (سر سینے سے لگا کر) امی امی امی (کٹ)

سین نمبر ۱۶ : کافی ہاؤس

(جمشید حسب معمول کونے والی میز پر تنہا بیٹھا ہے اور کاغذوں کا پلندہ سامنے پھیلائے بڑے انہماک کے ساتھ ناول لکھنے میں مصروف ہے۔ وہ سوچ رہا ہے لکھ رہا ہے کاٹ رہا ہے پھر لکھ رہا ہے۔ اسے اپنے اطراف کی کوئی خبر نہیں ہے۔ وہ لکھتے لکھتے آہستہ سے نظر اٹھاتا ہے تو نگاہ پھسل کر صفیہ کے پاؤں پر پڑتی ہے وہ اس کی میز کے قریب کھڑی ہے۔ کیمرہ صفیہ کے پاؤں سے اوپر چہرے کی طرف جاتا ہے)

صفیہ : (مسکرا کر) ہیلو جمشید!

جمشید : (بے رخی سے) ہیلو!

(صفیہ جمشید کے پاس بیٹھ جاتی ہے جمشید بظاہر روٹھا ہوا ہے اور نولفٹ کے انداز میں اپنے کاغذات میں منہمک رہتا ہے۔ صفیہ کچھ لمحے پیار سے اس کی طرف دیکھتی ہے اور پھر ڈسٹرب کرتی ہے)

صفیہ : میں نے کہا رائٹر جی کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔

(جمشید ایک لمحہ کے لیے ترچھی نظروں سے صفیہ کو دیکھتا ہے اور پھر کچھ جواب دیئے بغیر پھر فر فر لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ صفیہ پھر ستاتی ہے)

صفیہ : تھوک بھی دو غصہ۔ کچھ انٹ شنٹ لکھ دوگے۔

--- (جمشید پھر ایک ترچھی نگاہ ڈال کے دیکھتا ہے اور دوبارہ لکھنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ صفیہ لکھے ہوئے کاغذوں میں سے ایک کاغذ اٹھا کے سطر پڑھتی ہے)

صفیہ : (پڑھتے ہوئے) صدیاں سمٹ کر ایک لمحے میں آگئی ہیں۔ لمحہ جو زندگی ہے زندگی جو نہ کل تھی نہ کل ہے صرف ایک لمحہ جو اس کے اختیار میں ہے' وہ سوچنے لگا۔ (جمشید سے مخاطب ہو کر محبت سے) کیا سوچنے لگے۔

جمشید : وہ سوچنے لگا کہ لوگ اِتنے خود غرض اور جھوٹے کیوں ہوتے ہیں ۔

صفیہ : (سنجیدگی سے) جمشید میں آخر ایک لڑکی ہوں جمشید !
مڈل کلاس کی چھوٹے موٹے سنہرے خواب دیکھنے والی ایک عام سی لڑکی اگر کبھی غلطی سے کوئی ایسا احمقانہ خواب میں نے دیکھا ہے تو صرف تمہارے حوالے سے دیکھا ہوگا ۔ تم جو کچھ کہ تم ہو ۔ تم سے الگ ہٹ کر میں نے کبھی کوئی چیز نہیں سوچی ہے جمشید ۔

جمشید : میں تو اب کچھ بھی نہیں رہا ۔ ایک کنگال اور مفلس آدمی ہوں لیکن تم اب بھی اپنے سنہرے خواب پورے کر سکتی ہو ۔

صفیہ : غلط بات ہے ۔ ہم لوگوں کا وجود تو اس مٹی سے بنا ہوا ہے کہ اگر سونے کو چھوئیں تو سونا بھی مٹی بن جائے ۔

جمشید : پچھتاوا !!

صفیہ : کس بات کا پچھتاوا ایسی کونسی قیامت آگئی ہے کوئی بات کرو ڈھنگ کی ۔۔ فلموں کے ہیرو کی طرح ناک منہ چڑھا کر بیٹھے ہو ۔

جمشید : اچھا ہوا تم لوٹ آئی ہو صفیہ ۔

صفیہ : کون کم بخت لوٹ آئی ہے ۔ ارے میں گئی کہاں تھی جو لوٹ آئی ۔

(دونوں محبت سے دیکھتے ہیں ۔ کٹ کر کے رمضو اور علمو کو دکھاتے ہیں ۔ رمضو علمو کو آنکھ مارتا ہے (کٹ)

سین نمبر ۱۷ : پارک

(دونوں ایک بنچ پر بہت ہی وابستگی کے عالم میں بیٹھے ہیں)

صفیہ : پتہ ہے میرے بوس نے کل کیا کہا تھا مجھ سے ؟

جمشید : شادی کر لو ۔

صفیہ : (ہنستی ہے) تمہیں کیسے پتہ چلا ؟

جمشید : بس میں بہت ساری غیب کی باتیں جانتا ہوں ۔

صفیہ: ارے جاؤ، شوٹ مت مارو۔ یہ تو اس نے کہا ہی نہیں تھا۔
جمشید: پھر کیا کہا تھا؛
صفیہ: بوس کہہ رہا تھا تمہارا دفتر میں دل نہیں لگتا۔
جمشید: اس سے بوس کا یہی مطلب ہے کہ شادی کر لو۔
صفیہ: (سنجیدگی سے) اور تم کیا کہتے ہو؟
جمشید: میں جانتا ہوں میری وجہ سے تم بہت وقت برباد کر رہی ہو صفیہ! تمہاری بہت سی ذمہ داریاں ہیں، صفیہ میں خود بھی اس ڈگر کو بدلنے کے لیے بے چین ہوں۔ میں نے تو اب تک شادی کر بھی لی ہوتی۔۔۔ مگر۔۔۔
صفیہ: کیا مگر۔۔۔۔
جمشید: مگر نہیں مجھے حالات کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میں ڈیڈی کا محتاج تھا اور میری اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔
صفیہ: میرے لیے تم ہی سب کچھ ہو جمشید! میں ویسے ہی پہلے کی طرح تمہارے ساتھ ہوں کوئی چیز نہیں بدلی میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔
جمشید: لیکن سوچ لو میرے راستے اب بہت کٹھن ہوں گے۔
صفیہ: میرے ارادے اتنے ہی مضبوط ہوں گے جمشید ناول جو تمہاری زندگی کا مشن ہے اسے پورا کرو۔ میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں گی۔
جمشید: صرف ناول ہی تو میری زندگی کا مشن نہیں ہے۔ صفو۔ اس سے بڑا مشن ایک اور بھی تو ہے۔ پہلے اسے پورا کر یں ہاتھ تھام لیتا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۸: کوٹھری

(اعظم اور جمشید کوٹھری دیکھ رہے ہیں۔ اعظم کھڑکی سے سامنے دیکھ رہا ہے)
جمشید: اچھی ہے یہ۔
اعظم: ایک دم فسٹ کلاس پٹاخہ ہے۔ کبھی کبھی اس کی خاطر میں برابر والے آفس کا چکر لگا لیتا ہوں۔ کم بخت تاڑتی بہت ہے مگر پھنسی نہیں ہے۔ پھنسے گی بھی تو

کیا فائدہ یار۔ چوتھی منزل ہے۔ بہر حال اچھی ہے۔

جمشید : نالائق۔ میں نے کہا تھا یہ کوٹھڑی اچھی ہے پسند ہے مجھے چابی دے دو۔

اعظم : اوں کوٹھڑی ۔ آئی سی ۔ پسند بھی کیا چیز کی تونے ؟

جمشید : ڈپازٹ نہیں دوں گا۔ کرایہ دو چار مہینوں کا ایڈوانس لیتا ہے تو لے لو۔

اعظم : بکواس بند کرو۔ اور کچھ شرم کرو تھوڑی سی لیکن سنو یہ کوٹھڑی کی کیا تک ہے سارا بنگلہ خالی پڑا ہے وہاں آجاؤ کس کام آئے گا۔

جمشید : (گردن ہلا کر) نہ ۔ کہتے ہیں اپنے ہی پاؤں پھیلاؤ جتنی چادر ہو۔ یہ کوٹھڑی ٹھیک ہے۔ چابی دے دو اور کرایہ بتاؤ۔

اعظم : جمشید ! ایک بات بتاؤں ! تم کریک ہوگئے ہو بالکل (چابی دیتا ہے) لو چابی۔ کرایہ کی رسید بھجوا دوں گا۔

جمشید : (چابی لیتا ہے) تھینک یو۔

اعظم : لیکن تم شادی پر کسی کو بلا نہیں رہے ہو ؟

جمشید : نہ !

اعظم : کوئی نہیں جائے گا ساتھ ؟

جمشید : نہ ۔ کوئی نہیں ۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۹ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس کے تمام احباب ایک میز پر جمع ہیں جن کے درمیان جمشید گھرا ہوا ہے)

انشورنس ایجنٹ : ارے ہم جائیں گے تیرے ساتھ۔ بیمہ کریں گے تیری شادی کا۔

صفدر : یار بالکل ۔ قیمہ نہیں کرنا تم اس کی شادی کا۔ مجھے نیا ناول لکھنا ہے۔ اس کی شادی پر لکھ ماروں گا۔ اور بجمی صاحب سہرا لکھ دیں گے۔

بجمی : بھئی ہم نے اپنی زندگی میں کبھی سہرا نہیں لکھا لیکن تم کہتے ہو تو لکھ دیں گے لڑکا بھی کیا یاد کرے گا۔

جمشید : ذرہ نوازی (جرنلسٹ سے) آپ کچھ نہیں کریں گے ؟

جرنلسٹ: میں اخبار نویس ہوں۔ سوائے اس کے کیا کرسکتا ہوں کہ شادی کی نیوز آئیٹم مع فوٹو کے لگا دوں۔

آرٹسٹ: اور بسحانی سے کیا کام لوگے؟

بسحانی: میں شادی کے موقع پر تو کچھ نہیں کرسکتا لیکن جب یہ صاحب اولاد ہو جائے گا تو اس کے بچوں کو انقلاب کی تھیوری پڑھاؤں گا البتہ تم (آرٹسٹ سے) کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

آرٹسٹ: میں اپنے حصے کا کارنامہ ابھی انجام دے دیا ہے (دولہا دلہن کی ڈرائنگ دکھا کر) یہ دیکھو۔ دولہا کو عمر قید کی سزا ہو گئی ہے۔ اب یہ زندگی بھر محبت کے کوڑے کھاتا رہے گا۔

(آرٹسٹ کی بنائی ہوئی تصویر کا کلوز شارٹ دکھایا جاتا ہے جس میں جمشید اور اس کی دلہن پھولوں کی لڑیوں میں دولہا اور دلہن بنے سجے ہوئے ہیں۔ اسی تصویر پر شہنائی اور ڈھولک کی آواز ابھرتی ہے جو شادی کا پیغام دیتی ہے)۔ (کٹ)

سین نمبر ۲۰ : فلم مونتاژ

(ہنی مون کی مختلف تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ باغ کی روش۔ فوارے کے کنارے، پارک میں، ہوٹل کے کسی کیبن میں، ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے کلفٹن کی ڈراج کار کے اندر، سمندر کے کنارے وغیرہ) (کٹ)

سین نمبر ۲۱ : ڈیڈی کا گھر

ڈیڈی: ارے رجاق۔ یار اس نے تو سادی بنا لیا ہاں۔

رزاق: ہاں ڈیڈی۔

ڈیڈی: پکی بات ہے؟

رزاق: پکی بات ہے ڈیڈی۔

ڈیڈی: ارے ہم نے تو کھیال کیا تھا اس کی سادی پر ہم کھرچہ کر کے بڑا فنکسن کرے گا ایسا باجہ بجے گا۔ پی پی — پی پی — گڑبڑ کر دیا۔

ممی : تمہارا خیال تھا تمہارے پیسے کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکے گا لقمان۔

ڈیڈی : ارے کھاہ کھاہ کی بات مت کرو مریم وہ بیٹا ہے ہمارا۔

ممی : تھا بیٹا اب نہیں ہے۔

ڈیڈی : ارے ہم نے تو خیال کیا تھا وہ ہمارا ابا جو ہئیں گا رجاق کی ما پھق (رزاق خوشی کا اظہار کرتا ہے) اپن کھوپڑی کھراب ہے اس کا۔ ارے ایک دفعہ تو بولتا نی ڈیڈی سوری تو کیا ہو جاتا ہاں۔ ارے ہم اپنے باپ کو دن میں سو وقت سوری بولتا تھا۔ اس نے اکھا جندگی میں ایک دفعہ میرے کو سوری نہیں بولا۔ ہاں رجاق۔ سوری بولنے سے کیا جاتا ہے۔ تم بولو سوری رجاق!

رزاق : سوری ڈیڈی سوری!

ڈیڈی : دیکھو ممی دیکھو نی۔ ہم نے ایک دفعہ بولا۔ رجاق نے دو بار سوری بولا۔ ہاں وہ کیا اکھا جندگی میں ایک دفعہ نہیں بول سکتا تھا۔ ہاں مریم ہاں۔

(ہاں کہہ کر ڈیڈی عجیب مظلوم صورت بناتا ہے۔ ممی کے تاثرات) (کٹ)

سین نمبر ۲۲ : کوٹھڑی

(کوٹھڑی قرینے سے سجی ہوئی ہے۔ وارڈ روب، میز، کرسیاں اور کچھ ضرورت کا سامان موجود ہے۔ کارنس وغیرہ پر جمشید اور صفیہ کی شادی کی تصویر نمایاں دکھائی دے رہی ہے۔ جمشید لکھنے میں مصروف ہے۔ صفیہ کمرے میں داخل ہوتی ہے وہ سگریٹ کا پیکٹ اس کے سامنے رکھتی ہے اس نے گھریلو ضروریات کا کچھ سامان بھی اٹھا رکھا ہے وہ سامان رکھتی ہے)

صفیہ : سوری جمشید لیٹ ہو گئی ہوں۔ ایک تو دفتر میں کئی دن کا کام رکا ہوا تھا پھر واپسی پر امی کی طرف سے ہوتی ہوئی آئی ہوں۔

جمشید : (گھڑی دیکھ کر) ارے ہاں۔ تم تو کافی لیٹ ہو گئی ہو۔

صفیہ : تو گویا آپ کو احساس نہیں کہ میں لیٹ ہو گئی ہوں۔ اور میں سمجھ رہی تھی پتہ نہیں کس قدر انتظار کر رہے ہوں گے۔

جمشید : (جماہی لے کر تھکان اتارتے ہوئے) انتظار گھڑی میں نہیں وہ تو یہاں (دِل پر ہاتھ رکھ کر) ہوتا ہے صفو۔

(صفیہ کرسی کے بازو پر بیٹھ جاتی ہے اور بازو گردن کے گرد حمائل کر دیتی ہے)۔

صفیہ : یہ ناول کا جملہ ہے کیا؟

جمشید : نہیں فلم کا (دونوں ہنستے ہیں)

صفیہ : دیکھوں کتنا لکھا ہے تم نے آج دن میں۔ صبح یہاں تک لکھا تھا ناں۔ ایک دو، تین، چار ۔۔ چھ سات نو ۔۔ اوئی ۔۔ اوئی ۔۔ تم نے تو دن میں پندرہ صفحے لکھ مارے۔

جمشید : (صفیہ کی انگلیوں کو چھو کر) اور تم نے دن میں کتنے صفحے ٹائپ کیے ہیں آج؟ (سنجیدہ ہو کر پکارتا ہے) صفیہ!

صفیہ : اوں!

جمشید : عجیب سا لگتا ہے۔

صفیہ : کیا عجیب سا لگتا ہے؟

جمشید : یہی کہ تم کام کرو اور میں دن بھر گھر بیٹھا رہوں۔

صفیہ : کمال کرتے ہو۔ کیا تم دن بھر کام نہیں کرتے ہو۔ یہ دیکھو ایک دِن میں کتنا لکھا اور کتنا سوچا ہو گا۔ میں تو چھٹی کر کے بھی واپس آ گئی اور تم اب بھی مصروف ہو۔

جمشید : پھر بھی یہ کام تو نہیں ہوا۔ مجھے کچھ اور بھی کرنا چاہیئے۔ کم از کم کچھ کما کے تو لانا چاہیئے۔

صفیہ : چھوڑو فضول باتیں۔ پہلے تم اس ناول کو ختم کر لو۔ جو تمہارا مشن ہے۔

جمشید : (از راہِ مذاق) کیسی بیوی ہے یہ؟

صفیہ : (از راہِ مذاق) کیسا شوہر ہے یہ؟

دونوں ہنستے ہیں

(کٹ)

سین نمبر ۲۳ : دفتر کا کیبن

(صفیہ بڑے انہماک سے ٹائپ کرنے میں مصروف ہے۔ وہ مشین کو روکتی ہے اپنی انگلیوں کو چٹخا کر تھکن اتارتی ہے اور چپراسی کو آواز دیتی ہے)

صفیہ : عزیز خان!

چپراسی : جی — میم صاحب!

صفیہ : عزیز خان پلیز۔ ایک کام کرو گے؟

چپراسی : کیوں نہیں میم صاحب۔ کیا کام ہے؟

صفیہ : یہ کچھ سامان اور دوائیں ہیں۔ امی کے گھر پہنچانی ہیں۔

چپراسی : ہاں ہاں دیونی — راستے میں ہی تو گھر ہے۔ دے آئے گا ناں ہم۔

صفیہ : اور وہ کارپوریشن کی فائل کہاں رکھی ہے؟

چپراسی : وہ تو ہم نے کباٹ میں رکھ دیا۔ آپ نے ہی تو بولا تھا۔ رکھ دو۔

صفیہ : وہ مجھے لا دو۔ اسے میں آج ختم کر دوں گی۔

چپراسی : اوور ٹائم کرنا ہے کیا؟

صفیہ : میں ساتھ لے جاؤں گی گھر۔

چپراسی : آپ کتنا کام کرتی ہیں۔ ادھر بھی۔ ادھر بھی۔ گھر میں بھی۔ ابھی لاتا ہوں فائل (کٹ)

سین نمبر ۲۴ : کوٹھڑی - رات

(صفیہ پلنگ پر بیٹھی سامنے چھوٹی سی تپائی رکھے بڑے انہماک کے ساتھ کاغذوں کا پلندہ ٹائپ کرنے میں مصروف ہے۔ وہ بہت تھکی ہوئی ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں سامنے جمشید لکھنے کی میز پر اسی انہماک اور محویت کے ساتھ لکھنے میں مصروف ہے۔ وہ لکھ رہا ہے اور کاٹ رہا ہے اور سوچ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر صفیہ کے ٹائپ رائٹر کی ٹپ ٹپ کی آواز آتی ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں۔ صفیہ کے چہرے پر بہت تھکان ہے وہ ہاتھ روکتی ہے اور ٹائپ رائٹر پر ہی تھوڑی دیر کے لیے سر ٹکاتی ہے۔ جمشید بہت تیزی سے لکھ رہا ہے۔ اچانک اس کا ہاتھ بھی رک جاتا ہے۔ وہ نظر اٹھا کر صفیہ کی طرف دیکھتا ہے

جمشید کے چہرے پر بہت ہی ہمدردی، انس اور پیار کے تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے صفیہ کی جانب بڑھتا ہے۔ آہستہ سے اس کا سر اپنے بازوؤں میں لے کر ٹائپ رائٹر سے اٹھاتا ہے اور تکیہ پر رکھ دیتا ہے۔ ٹائپ رائٹر کو مع میز کے ذرا آگے کرتا ہے اور صفیہ کے پاؤں اوپر پلنگ پر رکھتا ہے آہستہ سے اس کے پاؤں سے چپل نکالتا ہے۔ اس کی زلفوں کو درست کرتا ہے اور سوئچ بورڈ کے پاس جاکر بٹن اوپر کرتا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۲۵ : مونتاژ (دفتر کا کیبن۔ صفیہ ٹائپ کر رہی ہے)

(جمشید گھر میں لکھ رہا ہے۔ صفیہ گھر میں ٹائپ کر رہی ہے۔ صفیہ ماں کو دوا دے رہی ہے۔ صفیہ ماں کو دوا دے رہی ہے۔ صفیہ بس سے اتر رہی ہے صفیہ بس پر بیٹھ رہی ہے۔ صفیہ کھانا پکا رہی ہے۔ صفیہ کھانے کی میز لگا رہی ہے۔ دونوں کھانا کھا رہے ہیں صفیہ ماں کو دوا دے رہی ہے۔ جمشید لکھ رہا ہے۔ صفیہ ٹائپ کر رہی ہے۔ دونوں کے لکھتے اور کام کرتے ہوئے ہاتھ اور چہرے سُپراِمپوز ہوتے ہیں (کٹ)

سین نمبر ۲۶ : کوٹھری

(جمشید لکھ رہا ہے اور یوں لگ رہا ہے کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ گیا ہے وہ بہت ایکسائیٹڈ ہے۔ وہ جلدی جلدی دو تین سطریں لکھ کر یکے بعد دیگرے لمبی لمبی تین چار لکیریں کھینچتا ہے اور ساتھ ہی بے اختیار ایک نعرہ لگاتا ہے)

جمشید: (نعرہ لگاتے ہوئے) صفو! صفو! صفو! صفو!

(صفیہ کھانا پکاتے ہوئے آتی ہے)

صفیہ : ارے رے۔ جمشید۔ کیا بات ہے کیا ہو گیا؟

جمشید : ہو گیا۔ ہو گیا۔ صفیہ۔ ہو گیا۔ میرا ناول مکمل ہو گیا ہے۔

صفیہ : یہ تو کمال ہو گیا ہے جمشید۔

جمشید : ارے کمال سا کمال ہو گیا ہے۔ آہو وو!

(صفیہ کو ہاتھوں میں اوپر اٹھا لیتا ہے)

(کٹ)

سین نمبر ۲۷ : آؤٹ ڈور

(باغ کی گھاس پر جمشید ایک طویل لمبی دوڑ لگاتا ہے۔ لانگ شارٹ میں اس کی دوڑ کا منظر دکھایا جاتا ہے۔ سلوموشن میں گارڈن کا ایک چکر پورا کر کے جمشید واپس جیسے ہی کلوز میں آتا ہے اور آ کے ایک گھاس پر بیٹھی ہوئی صفیہ بھی فریم میں آتی ہے)

جمشید : بس میرا جی چاہتا ہے اب ایک مہینہ دوڑتا رہوں (سانس قابو میں کر کے) یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے ایک پہاڑ سر سے نیچے اتار دیا ہو صفیہ!

صفیہ : پہاڑ ہی تو تھا۔ جو تم سر پر اٹھائے پھر رہے تھے۔

جمشید : اب اس پہاڑ کو ٹھکانے لگانے کا کام باقی ہے صفیہ!

صفیہ : وہ بھی ہو جائے گا جمشید۔ بڑا کام تو ہو گیا ہے۔

جمشید : تم دیکھنا صفیہ۔ دیکھنا۔

صفیہ : کیا دیکھوں جمشید؟

جمشید : بس تم دیکھنا ہوتا کیا ہے اب ہمارے اچھے دن آئیں گے۔ میں اچھے خاصے پیسے لوں گا۔ آخر کیوں نہ لوں۔ میں نے محنت کی ہے۔

صفیہ : صرف محنت ہی نہیں تم نے قربانی بھی دی ہے۔

جمشید : (پیار سے) قربانی تو تم نے دی ہے صفو۔ (کٹ)

سین نمبر ۲۸ : دفتر رسالہ

پبلشر : نہیں جمشید صاحب۔ ناول میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔

جمشید : آپ نے پوری کتاب پڑھی ہے؟

پبلشر : دیکھئے صاحب چاول جب آدمی خریدتا ہے ناں تو ٹاں کے بوری دیکھ ہی لیتا ہے۔ بوری الٹاتا نہیں۔ کاروباری نقطۂ نگاہ سے میں نے ناول کو دیکھ لیا ہے۔

جمشید : اگر آپ نے چاول کی طرح دیکھا ہے تو پھر چاول اور ناول میں فرق ہے نظامی صاحب۔

پبلشر: بات یہ ہے کہ مجھے یہ ناول سوٹ نہیں کرتا۔
جمشید: ٹھیک ہے جناب شکریہ آپ کا۔ (اٹھتا ہے)
پبلشر: ایک کام ہو سکتا ہے۔ آپ کہیں تو اسے قسط وار رسالے میں شائع کرنا شروع کر دوں
جمشید: وہ تو بہت وقت لگے گا مکمل ہونے میں۔
پبلشر: ہاں وقت تو لگے گا مگر ناول کا کچھ اندازہ بھی ہو جائے گا اور اگر مقبول ہوا تو بعد میں کتابی شکل میں شائع بھی ہو سکتا ہے۔
جمشید: اِس طرح ایک قسط کے کتنے پیسے دیں گے آپ؟
پبلشر: (ہنستا ہے) جمشید صاحب! آپ ابھی اِس میدان میں تو وارد ہیں۔ پیسوں کے بارے میں تو آپ کو سوچنا ہی نہیں چاہیئے۔ آپ نئے لکھنے والے ہیں۔ چھپنے سے آپ کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اسٹیبلش ہوں گے آپ۔ ادبی حلقوں میں تعارف ہوگا آپ کا پھر آگے لانگ رن میں جا کے فائدہ بھی ہوگا۔ لیکن ابھی سے آپ پیسے کے چکر میں پڑ گئے تو مشکلات پیش آئیں گی۔
جمشید: میری مشکلات کو چھوڑیں آپ یہ بتائیے کہ ناول آپ شائع کر سکتے ہیں کہ نہیں
پبلشر: مشکل ہے رسک نہیں لے سکتا۔
(جمشید حیرت سے پبلشر کو اور پبلشر جمشید کو دیکھتا ہے)
(کٹ)

سین نمبر ۲۹ : مونتاژ

پہلا آدمی: نہیں۔
دوسرا آدمی: نہیں صاحب۔
تیسرا آدمی: نہیں جناب ناول میں کچھ بھی نہیں۔
چوتھا آدمی: اچھا ہے ہمارے مطلب کا نہیں۔
پانچواں آدمی: سوری ناٹ انڈرسٹینڈ۔
چھٹا آدمی: ہم چھاپ سکتے ہیں بشرطیکہ کسی لڑکی کے نام سے آپ چھاپنے دیں۔ (کٹ)

سین نمبر ۲۰ : کافی ہاؤس

(جمشید کونے والی میز پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا ہے۔ صفیہ تلاش کرتی ہوئی آتی ہے اور پاس بیٹھ جاتی ہے)

صفیہ : تم یہاں ہو؟

جمشید: ہاں!

صفیہ : یہ اتنے سارے سگریٹ پیئے ہیں تم نے کیا فائدہ؟ صحت کی بھی خرابی اور

جمشید : (کاٹ کر) اور پیسے کی بھی بربادی۔

صفیہ : مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے جمشید۔ سب ٹھیک ہو جائے گا آؤ گھر چلیں

جمشید : تم جاؤ صفیہ!

صفیہ : تم کیا کروگے یہاں؟

جمشید: میں صفدر صاحب کا انتظار کروں گا وہ ایک پبلشر کو لا رہے ہیں۔ مزدوری میٹنگ ہے ان کے ساتھ۔

صفیہ : میں بھی رک جاتی ہوں۔

جمشید : نہیں صفو تم جاؤ۔ امی کو بھی دیکھنا ہوگا۔ گھر کا کام بھی ہے میں آجاؤں گا۔

صفیہ : جلدی آجانا۔ اور ہاں یہ سگریٹ تمہارے۔

(سگریٹ کا پیکیٹ لے کر غور سے ڈبیا کو اور صفیہ کو دیکھ کر سوچنے لگتا ہے)

(کٹ)

سین نمبر ۲۱ : کوٹھری

(دستک ہوتی ہے صفیہ کچھ کام کرتے ہوئے سامنے آکر دروازہ کھولتی ہے صفیہ کی امی داخل ہوتی ہے)

صفیہ : (حیرت سے) امی . . . . اور کون ہے ساتھ؟

امی : کوئی نہیں صفیہ!

صفیہ : اکیلی آئی ہیں آپ؟

امی : ہاں :
صفیہ : یہ کیا کیا آپ نے ۔ خدانخواستہ چکر آجاتا ۔ گر جاتیں ؟
امی : دو دن تم نے صورت نہیں دکھائی تو جی گھبرا رہا تھا ۔
صفیہ : میں سوچ ہی رہی تھی ۔ آج آؤں گی ۔ بس نکلنا ہی نہیں ہوا ۔
امی : میں جانتی ہوں بیٹی ۔ صبح جاتی ہو شام کو آتی ہے اوورٹائم بھی ۔ گھر کا کام بھی ۔
دو گھروں کا خرچہ ۔ ہماری مصیبت بھی اپنی بھی ۔
صفیہ : امّی امی امی ! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ ؟
امی : اپنے نصیب کو رو رہی ہوں تمہیں کیا کہہ رہی ہوں (بیزاری سے)
جمشید کہاں ہے ؟
صفیہ : ابھی آتا ہی ہوگا ۔ بیٹھئے آپ ۔
(معاً جمشید دروازے پر پہنچ کر آہستہ سے دروازہ کھولنے لگتا ہے تو اسے صفیہ
اور امی بات چیت کرتی نظر آتی ہیں ۔ امی کی پشت ہے اور صفیہ کا چہرہ کیمرے کی جانب ہے
صفیہ جمشید کو دیکھ لیتی ہے لیکن امی نے نہیں دیکھا)
امی : میں نے تو سوچا تھا کہ شادی کر کے سکھ چین کے دن دیکھوگی لیکن تمہیں تو اپنے
کے لیے ماں کے ساتھ ساتھ شوہر بھی ....
صفیہ : (غضبناک ہو کر) امی می می ... (امی کی نگاہ جمشید پر پڑتی ہے، کٹ)

سین نمبر ۳۲ : ڈیڈی کا گھر

ڈیڈی : رجاق ۔ ایک بات بتاؤ ۔ یار یہ کھرچہ مرچہ کدھر سے کرتا ہوئیں گا نی ۔
رزاق : کچھ مالوم نہیں ڈیڈی ۔
ڈیڈی : دیکھو نی ۔ ابھی تک اس کا اکڑی نئیں گیا ہاں ۔ ارے تو کھاریا جی کرتا ہے کرنی
گھر والی کو بھیج دے اس کے ساتھ تو ہمارا کھاریا جی نہیں ہے کہ ہے رجاق ؟
رزاق : نہیں ڈیڈی ۔
ڈیڈی : کبھی ملے تیرے کو تو اس کو بول اکڑی نئیں کر باپ کے ساتھ ۔ ماپھی مانگ لے

ابھی بھی تیرے کو معاف کر دیں گا ہاں ۔ (سوچ کر) پن یار خرچہ اس کو کون دیتا ہوئیں گانی ۔

ممی : تم ساری دنیا کے روزی رساں نہیں ہو لقمان ۔ میں نے کہا تھا نا کہ جن کو تم خرچ نہیں دیتے وہ بھی زندہ رہتے ہیں ۔

ڈیڈی : آ آ آ ااا ۔ سمجھ گیا ۔ سمجھ گیا ۔ ابھی میرے کو برابر معلوم ہو گیانی ۔ اس کو خرچ کدھر سے جاتا ہے ۔ آں ں ں ں ں ۔

(ممی کے چہرے پر نفرت ہے) (کٹ)

سین نمبر ۳۳ : کوٹھری

(صفیہ گھر کے اندر کچھ ٹائپ کر رہی ہے ۔ جمشید اندر داخل ہوتا ہے)

صفیہ : توبہ ۔ سانس خشک ہو رہی تھی میری ۔ کہاں رہ گئے تھے ۔

جمشید : بس ایسے ہی دیر ہو گئی ۔

صفیہ : میں تو کافی ہاؤس میں بھی دیکھ کے آئی ہوں تمہیں ۔

جمشید : میں اس طرف گیا ہی نہیں ۔

صفیہ : تو کہاں تھے پھر ؟

جمشید : کچھ کام کر رہا تھا ۔

صفیہ : (حیرت سے) کام ؟

جمشید : ایک جاسوسی رسالے کے لیے کچھ ترجمہ کر رہا تھا ۔ بہت کام ہے اس کے پاس وہیں جا کے روز بیٹھ جایا کروں گا ۔ (صفیہ حیرت سے دیکھتی ہے) ارے ہاں ! یہ پیسے رکھ لو ۔ میں ہاتھ کے ہاتھ ہی لے آیا ہوں ۔

صفیہ : اف میرے خدایا ۔ جمشید ، ہم پر کوئی ایسی مصیبت نہیں پڑی ہے اچھا خاصا گذارا ہو رہا ہے معقول تنخواہ ہے میری ۔ تم کس بکھیڑے میں پڑ گئے ہو ۔

جمشید : یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تم دن رات محنت کرتی رہو ۔ اور میں تمہارا ہاتھ بٹانے کی بجائے تمہارے لیے مصیبت بنتا جاؤں ایسے ناتواں کندھوں کے ساتھ دو

گھروں کی گاڑی کس طرح کھینچو گی۔

صفیہ : جمشید اگر امی کی کوئی بات تم نے سن لی ہے تو یہ پہلا موقع تھا کہ انھوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی ہے اور پھر یہ خالص امی کا معاملہ ہے۔

جمشید : نہیں صفیہ۔ امی نے کوئی ایسی بات نہیں کی لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا؟

صفیہ : کچھ نہ کچھ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میری خاطر تم جاسوسی کہانیوں کے ترجمے کرتے پھرو۔

جمشید : تمہاری خاطر کیوں؟

صفیہ : میری خاطر نہیں تو اور کیا۔ یہ تمہارے مزاج کا کام ہی نہیں ہے تم نے کوئی بات دل میں بٹھالی ہے خدا کے لیے دل میلا نہ کرو جمشید۔ اگر تم چاہو گے تو امی اب کبھی .... (صفیہ کی ہچکی بندھ جاتی ہے)

جمشید : ارے پاگل مت بنو صفو۔ یہ کیا بچوں کی طرح چھو چھو کرنے لگی ہو۔ چلو لاؤ کھانا نکالو پھر چلتے ہیں کافی ہاؤس شاید صفدر صاحب سے ملاقات ہو جائے۔

صفیہ : (چونک کر) ارے ہاں میں بھول ہی گئی۔ صفدر صاحب نے یہ خط بھجوایا تھا۔

جمشید : کیسا خط؟ کیا صفدر صاحب خود آئے تھے؟

صفیہ : نہیں کسی اور کے ہاتھ بھجوایا تھا۔ میں نے کھولا نہیں ہے۔

(جمشید جلدی سے خط کھولتا ہے اور پڑھتے پڑھتے اس کا چہرہ خوشی سے پھولتا چلا جاتا ہے)

جمشید : (پکار کر) صفیہ! ارے تم نے کھولا کیوں نہیں خط۔ صفیہ صفیہ!

صفیہ : (حیرت سے) خیریت؟

جمشید : خیریت نہیں ہے۔ میرا ناول چھپ رہا ہے۔

صفیہ : ایمان سے؟

جمشید : ارے یہ دیکھو۔ پبلشر نے ایڈوانس چیک بھی بھجوا دیا ہے۔

صفیہ: (خوشی سے دیوانی ہو کر) ارے رے دکھاؤ ذرا۔

جمشید: یہ دیکھو۔ باقی پیسے بعد میں ملیں گے۔

صفیہ: آفت۔ (دونوں کے چہروں پر خوشی کی کیفیت)

(پیسٹ جاتے ہیں) (کٹ)

سین نمبر ۳۴: مونتاژ۔

(کھٹا کھٹ پریس کی مشین چل رہی ہے۔ کتاب شائع ہو رہی ہے۔ کتاب شائع ہونے کے مختلف مرحلے مونتاژ میں دکھائے جاتے ہیں۔ (کٹ)

سین نمبر ۳۵: کوٹھری

(ٹھاہ کر کے دروازہ کھلتا ہے اور آندھی کی طرح جمشید اندر داخل ہوتا ہے)

جمشید: (بے اختیار پکارتا ہے) صفیہ صفیہ!

صفیہ: خدا خیر کرے۔ کیا ہوا؟

جمشید: پتہ ہے کیا ہوا (اخبار دکھاتا ہے) یہ دیکھ میرے ناول پر تبصرے دیکھ۔ ہلچل مچ گئی ہے۔ ادبی حلقوں میں نقاد لکھتے ہیں دس برس میں اتنا بڑا ناول نہیں آیا۔

صفیہ: ابھی اور دس سال میں نہیں آئے گا۔

جمشید: اور اگر آیا بھی تو میں ہی لکھوں گا (چونک کر) ارے ہاں! تمہیں بتایا نہیں میں نے کل مجھے ٹیلی ویژن والوں نے انٹرویو کے لیے بلایا ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۳۶: ٹیلی ویژن سیٹ

کمپیئر: جمشید صاحب! آپ نے اپنے ناول سے متعلق بہت اچھی باتیں بتائی ہیں تھیم موضوع پلاٹ کردار بیان اسلوب ہر موضوع پر آپ کھل کر گفتگو کی ہے لیکن ناول شروع ہونے سے پہلے ایک خالی صفحہ ہے جس پر ایک چھوٹی سی سطر ہے۔ صفیہ کے نام۔ یہ صفیہ کون ہے؟

جمشید: صفیہ میری محبوبہ کا نام ہے۔

کمپیئر: خوب! تو کیا محبوبہ سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے یا شادی ہو نہیں سکی۔

جمشید: شادی تو ہو گئی۔

کمپیئر: کس کے ساتھ؟

جمشید: صفیہ ہی کے ساتھ۔ لیکن وہ اب بھی میری محبوبہ ہی ہے (بحث میں حصہ لینے والے ہنستے ہیں) (کٹ)

سین نمبر ۳۷ : ڈیڈی کا گھر

(ڈیڈی، ممی رزاق تینوں انہماک سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہیں۔ ٹی وی سیٹ پر جمشید بول رہا ہے)

جمشید: جہاں تک مدد کا تعلق ہے تو ایک دوسرے کی مدد کے بغیر انسان دو قدم نہیں چل پاتا۔ تاہم میں ایک سیلف میڈ آدمی ہوں جو کسی سہارے کے بغیر یہاں تک پہنچا ہوں۔

(کیمرہ پین کر کے گھر کا نقشہ واضح کرتا ہے)

ڈیڈی: (خوشی سے پھول کر) سیلف میڈ۔ آں مریم دیکھا میرا بیٹا سیلف میڈ ہے۔ ہاں رجاق! ـــ بولتا ہے سیلف میڈ، یہ بھی سیلف میڈ۔ ہم دونوں باپ بیٹے سیلف میڈ ہیں۔ مریم مریم او مریم سنتی ہو۔

مریم: (توجہ سے سنتے ہوئے) ہش ہش ش ش۔ سننے دے مجھے۔

(پاس جاتا ہے۔ جمشید ٹی وی سیٹ پر نکھر رہا ہے ڈیڈی لپٹ جانے کے انداز میں اسکرین کے قریب ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں تصویر سے مخاطب ہوتا ہے)

ڈیڈی: (تصویر سے مخاطب ہو کر) جمشید اب تو سوری بول دے نی۔ صرف ایک دفعہ بول دے سوری ہاں!

....حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

وکیل استغاثہ	ــــــــــــــــ	طلعت حسین
وکیل صفائی	ــــــــــــــــ	طلعت اقبال
جج	ــــــــــــــــ	اقبال ترین
بوس	ــــــــــــــــ	لیاقت درانی
بوس کا بیٹا	ــــــــــــــــ	شبیر رانا

اور کافی ہاؤس کے تمام کردار

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
غالب

سین نمبر ۱ : کافی ہاؤس

کافی ہاؤس بہت عروج پر ہے اپنی اپنی چوکڑیوں میں لوگ مصروف ہیں۔ ہم سین کا آغاز کاؤنٹر سے کرتے ہیں۔

کاؤنٹر

رمضو : یار علموں کوئی گولی نہیں ہے تیرے پاس؟

علمو : نہیں رمضو چاچا! میں اپنا پستول گھر بھول آیا ہوں۔

رمضو : اماں یار مذاق نہ کر۔ سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔

علمو : ارے تو یوں بول نہ رمضو چاچا کہ سر درد کی گولی چاہیئے۔ اندر پینٹری میں رکھی ہے۔

رمضو : تو بھائی لا دے جلدی سے پتہ نہیں کیا بات ہے آج اپنے بادوبیات ٹھیک نہیں ہیں۔

علمو : اماں بادوبیات ٹھیک رکھو تم، میں ابھی گولی لا دیتا ہوں۔ یہ لے جیب ہی سے نکل آئی۔

رمضو : اللہ تجھے خوش اور اس کافی ہاؤس کو آباد رکھے (کٹ)

میز نمبرا

(دو ایکٹر مکالمے یاد کر رہے ہیں)

ایکٹر : زرو ناب عالی ہم نے بڑے بڑے ڈپٹی کشنر دیکھے ہیں۔ مگر والی قدر عالی زرو ناب آپ جیسا انصاف کرنے والا اور جہاں دیدہ کشمنر اس خوش نصیب بستی میں نہ پہلے آیا نہ آئندہ کبھی آئے گا۔

دوسرا ایکٹر : تم ایک پیشہ ور پٹواری ہو اور مجھے تمہاری زبان پر یقین کرنے کے لیے کم از کم نوح کی عمر درکار ہو گی۔

ایکٹر : باری تعالی۔ زرو ناب کو نوح کی عمر عطا کرے۔

دوسرا ایکٹر : ویری گڈ، آپ کو تو سارا اسکرپٹ یاد ہو گیا۔ (کٹ)

دوسری میز

(سی آئی ڈی والا اپنے کام میں مصروف ہے کہ سبحانی گیلے گیلے ہاتھ اور منہ پونچھتا ہوا اپنی کسی دھن میں مگن آتا ہے اور سی آئی ڈی والے کی میز پر بے دھیانی میں بیٹھ جاتا ہے اس کی نگاہ سی آئی ڈی والے پر نہیں پڑتی)

سی آئی ڈی : فرمائیے۔

سبحانی : (چونک کر) اوہ، آئی ایم سوری۔ (کٹ)

تیسری میز

سنگر : مجھے بچالو شعلہ صاحب، مجھے بچالو۔

شعلہ : میں اس وقت سچویشن میں پھنسا ہوا ہوں سلیم میاں۔

سنگر : میں بھی سچویشن میں پھنسا ہوا ہوں شعلہ جی مجھے بچالو۔

ایجنٹ : پرابلم کیا ہے آپ کا؟

سنگر : کوئی میرے سُر کا دشمن ہے جو مجھے سیندور کھلا دینا چاہتا ہے۔

ایجنٹ : یہ کوئی پرابلم نہیں ہے ایسا کرو تم اپنے گلے کا بیمہ کرالو پھر کوئی سیندور کھلاتا ہے تو بھلے کھلانے دو۔ (کٹ)

چوتھی میز

آرٹسٹ : یار نجمی صاحب آج بھی نہیں آئے۔

صحافی : معلوم نہیں کیا بات ہے۔

آرٹسٹ : خدا خیر کرے۔ دو سے زیادہ ناغے تو انہوں نے کبھی کیے نہیں تھے۔

صحافی : ہو سکا تو آج میں ان کی خبر لیتا ہوا آؤں گا۔

مجو : (داخل ہوتا ہے) بہت بری خبر لایا ہوں دوستو۔

(معاً بوس خط پڑھتا ہوا آتا ہے)

بوس : بری خبر تو میں لایا ہوں دوستو۔

صحافی : کیا بات ہے درانی صاحب؟

بوس : ؎ تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں۔

کافی ہاؤس بند ہو رہا ہے۔ یہ دیکھئے۔

(بوس ایک خط دکھاتا ہے۔ سب کے چہروں پر حیرت و استعجاب کے تاثرات۔ کٹ)

کافی ہاؤس

تحریر : ———— حمید کاشمیری

ہدایات : ———— بختیار احمد

(کٹ)

سین نمبر ۳ : کافی ہاؤس

(سب لوگ آرٹسٹ اور صحافی کی میز کے گرد جمع ہیں اور خط پر جھکے ہوئے پڑھ رہے ہیں اور سب کو بڑی سخت تشویش ہو رہی ہے سبھی فکر مند ہیں) (کٹ)

کاؤنٹر

رمضو : یہ شو کس کیا ہوتا ہے علمو؟

علمو : شوکس تو نہیں شوکیس ہوگا۔ کیوں کیا بات ہے؟

رمضو : معلوم نہیں سیٹھ صاحب کے پاس کوئی خط آیا ہے کورٹ سے۔

کیشیر : شوکاز نوٹس ہے رمضو میاں!

رمضو : یہ کیا چیز ہے بابو جی؟

کیشیر : یہ بہت گڑبڑ چیز ہے رمضو میاں۔ برابر میں اسلحہ والے ہیں ناں؟

رمضو : وہ جن کے ہاں آگ لگی تھی؟

کیشیر : ہاں انہوں نے مقدمہ کر دیا ہے کافی ہاؤس پر۔

رمضو : وہ کیا بابو جی؟

کیشیر : وہ کہتے ہیں کہ ہمارا کچن جو ہے وہ ان کے اسلحہ کے گودام کے ساتھ ملحق ہے یہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے جس کی وجہ سے پھر آگ لگنے کا خطرہ ہے۔

علمو : لہٰذا؟

کیشیر : لہٰذا کچن یہاں سے اٹھنا چاہیئے۔

علمو : یہ تو بڑی تشویشناک بات ہے (کٹ)

پہلی میز

بوس : یہ صورت حال ہے دوستو! اب بتاؤ کیا ہوگا؟

آرٹسٹ : صورت حال بہت خراب ہوگئی ہے۔

صحافی : مقدمے کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے درانی صاحب۔

بوس : یہ تو نہیں مجھے معلوم لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ کچن کے ذریعے اسلحہ کے گودام میں آگ یقیناً لگ سکتی ہے۔

بوس کا بیٹا : اس میں ہمارا قصور کیا ہے ڈیڈی؟

بوس : بات قصور کی نہیں —— بات فیصلے کی ہے اگر فیصلہ ہمارے خلاف ہوا تو کافی ہاؤس

شعلہ : کافی ہاؤس بند نہیں ہو سکتا۔

بوس کا بیٹا : یہ دھاندلی ہے!

تاجر : مجھ سے جو ہو سکتا ہے میں خدمت کے لیے تیار ہوں۔

آرٹسٹ : یارو بجھی صاحب کہاں ہیں۔ ان سے مشورہ کرو کچھ۔

مجو : میں یہی بتانے آیا تھا کہ بجھی صاحب بہت بیمار ہیں اور انہیں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔

(سب لوگ فکرمند ہو جاتے ہیں)

(کٹ)

سین نمبر ۴ : ہسپتال کا بیڈ

(بجھی نحیف و نزار بستر پر پڑا ہے کہ بجھی کے احباب فکرمندانہ میں داخل ہوتے ہیں بجھی انہیں دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے)

بجھی : آؤ دوستو آگے آجاؤ۔

ایجنٹ : کیسی طبیعت ہے بجھی صاحب؟

بجھی : ایک شعر ہوا ہے نیا۔ سنئے گا (مصاحب کو سنجیدہ دیکھ کر) یار تم لوگ اس قدر سنجیدہ کیوں ہو گئے ہو، کوئی بات کرو۔

آرٹسٹ : بات کرنے کو تو کافی ہاؤس تھا اس کو سونا کر کے آپ یہاں لیٹ گئے ہیں۔

بجھی : ہم بھی رہے اور کافی ہاؤس بھی رہا تو پھر محفلیں جمیں گی ثاقب۔

تاجر : کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟

بجھی : اچھا ڈاکٹر اچھا وکیل اور اچھا تاجر کبھی مایوس نہیں کرتا یحییٰ صاحب۔

ایجنٹ : اچھا انشورنس ایجنٹ بھی کبھی اپنے کلائنٹ کو مایوس نہیں کرتا۔ اس بات کا اپنے جملے میں اضافہ کر لو۔ بجھی صاحب!

بجھی : سوری انکل بھول گیا تھا۔

بوس : آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے بجھی صاحب۔

بجھی : آپ کو کیسے پتہ چلا؟

بوس : میری ڈاکٹر سے بات ہو چکی ہے۔ مجھے یہی تکلیف تھی جو آپ کو ہے اور اب

دیکھیں کیسا اچھا بھلا ہوں آپ بھی چند روز میں اچھے بھلے ہو جائیں گے۔

بخمی : محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے :: تری محفل میں لیکن ہم نہ ہونگے

بوس : (پیار سے بخمی کا ہاتھ دباتا ہے) آپ اچھے ہو جائیں گے۔

بخمی : درانی صاحب۔ ایک اچھی خبر سنا دیجئے تو میں اچھا ہو جاؤں گا۔

بوس : کونسی خبر بخمی صاحب؟

بخمی : یہی کہ کافی ہاؤس بند نہیں ہوگا۔

بوس : دعا کیجئے (سب کے تاثرات۔ کٹ)

سین نمبر ۴ : کمرۂ عدالت

(کمرۂ عدالت میں کافی ہاؤس کے تمام اسٹاک کیریکٹرز موجود ہیں)

وکیل استغاثہ : جناب والا! اسلحہ خانہ اور کافی ہاؤس کی مفصل کہانی اور بیک گراؤنڈ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ایک بار اسلحہ خانہ میں مذکورہ کافی ہاؤس کے کچن کے ذریعے آگ لگ چکی ہے جس پر بروقت قابو پا لیا گیا۔ اگر قابو نہ پا لیا جاتا تو سارا بازار جل کر بھسم ہو جاتا اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتیں۔ جناب والا: یہ آگ پھر بھڑک سکتی ہے اور پھر انسانی مال و جان کو نقصان کا اندیشہ ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میرے موکل ایس کے نیاز محمد خاں گزشتہ نصف صدی سے اسلحہ کا کاروبار کر رہے ہیں جس کا حکومتِ وقت کی طرف سے ان کے پاس اجازت نامہ موجود ہے لہٰذا استدعا ہے کہ میرے موکل کے کاروبار کے راستے میں حائل وہ رکاوٹیں دور کی جائیں جن سے نہ صرف میرے موکل کے کاروبار کو خدشہ ہے بلکہ نقضِ امن کا بھی اندیشہ ہے۔ جناب والا۔

اسلحہ کے قانون، مجریہ نمبر... کے تحت کسی اسلحہ خانہ کا لائسنس ایسی جگہ کے لیے نہیں دیا جا سکتا جہاں آس پاس ہوٹل، سینما، بھٹی تنور یا کسی

قسم کی آگ کا کوئی ذخیرہ موجود ہو۔

جج : کیا اسلحہ خانہ کے قیام کے وقت کافی ہاؤس موجود تھا۔

وکیل استغاثہ : نہیں جناب والا! اگر اس وقت کافی ہاؤس موجود ہوتا تو اسلحہ خانہ کے لیے لائسنس جاری نہیں ہو سکتا تھا۔

وکیل صفائی : جناب والا۔ میں اِس سلسلہ میں معزز عدالت سے ایک دِن کی مہلت کا خواستگار ہوں تاکہ ٹھوس دستاویزات اور شہادتوں کا معائنہ کیا جا سکے۔

جج : عدالت کل تک کے لیے برخاست ہوتی ہے۔

(کٹ)

سین نمبر ۵ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس عروج پر ہے۔ ایک جگہ ایک کونے میں بوس اور اسلحہ کا مالک نیاز محمد بیٹھے ہیں)

نیاز محمد : ہم مدت دراز سے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں درانی صاحب اور مجھے آپ سے لڑنا اچھا نہیں معلوم ہو رہا ہے۔

بوس : مقدمہ تو آپ ہی نے کیا ہے ہم نے تو جوابی کارروائی کی ہے۔

نیاز محمد : مقدمہ واپس بھی لیا جا سکتا ہے۔

بوس : تو واپس لے لیں ہم بھی جوابِ دعوےٰ واپس لے لیں گے۔

نیاز محمد : ایسے نہیں درانی صاحب! آپ بھی کاروباری آدمی ہیں اور میں بھی بیوپاری ہوں اور دو بیوپاری جہاں مل بیٹھتے ہیں کوئی نہ کوئی سودا کر کے اٹھتے ہیں۔

بوس : آپ کیا کہنا چاہتے ہیں نیاز صاحب؟

نیاز محمد : آپ کیا لینا چاہتے ہیں درانی صاحب؟

بوس : کس چیز کا؟

نیاز محمد : کافی ہاؤس کا۔

بوس : آپ خریدنا چاہتے ہیں کافی ہاؤس؟

نیاز محمد: کیوں نہیں ؟

بوس : لیکن میں بیچنا نہیں چاہتا۔

نیاز محمد: اگر میں مقدمہ ہار گیا تو میرا کچھ نہیں جائے گا۔ اور اگر میں مقدمہ جیت گیا تو کافی ہاؤس بند ہو جائے گا۔ میرا کیس بہت مضبوط ہے درانی صاحب!

(اچانک وکیل صفائی وارد ہوتا ہے)

وکیل صفائی: کیس کس کا مضبوط اور کس کا کمزور ہے یہ فیصلہ آپ عدالت کو کرنے دیں اور میرے موکل کو پریشان نہ کریں۔

(نیاز محمد اٹھ کر چلا جاتا ہے اور جاتے ہوئے بوس سے کہتا ہے)

نیاز محمد: اچھا وکیل کبھی نہیں چاہے گا کہ دو پارٹیوں میں صلح ہو جائے۔ سوچ لیجئے۔ درانی صاحب! (کٹ)

سین نمبر ۶ : کمرۂ عدالت

(سب لوگ عدالت میں بیٹھے ہیں۔ وکیل صفائی بول رہا ہے)

وکیل صفائی: جناب والا! اگر اسلحہ خانے کو چلانے کے لیے اس کے مالکان کے پاس اجازت نامہ ہے تو کافی ہاؤس بھی سالہا سال سے قانونی طور پر جاری کیے ہوئے اجازت نامے کے تحت کاروبار کر رہا ہے۔ عدالت کے ریکارڈ کے لیے دستاویزات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں پیش کی جاتی ہیں۔

وکیلِ استغاثہ: جناب والا! ریکارڈ سے تصدیق کی جا سکتی ہے کہ اسلحہ کا گودام کافی ہاؤس کے قیام سے پہلے قانونی طور پر اپنی جگہ پر موجود ہے۔

وکیل صفائی: جناب والا! میرے موکل نے بھی قانونی طور پر اجازت حاصل کرنے کے بعد ہوٹل کے کاروبار کا آغاز کیا تھا۔ یہ نکتہ کہ اسلحہ خانہ دس دن پہلے قائم ہوا تھا یا کافی ہاؤس دس دن بعد اس کا میرے موکل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ وہ اس کا ذمہ دار ہے دوسری بات یہ ہے کہ کافی ہاؤس بھی کم و بیش نصف صدی

سے جائے وقوع پر قائم ودائم ہے۔ آخر مدعی کو اس سے پیشتر کیوں خیال
نہ آیا کہ کافی ہاؤس کے کچن سے اسلحہ کے ذخیرے کو خطرہ لاحق ہے۔

وکیل استغاثہ: جناب والا! کچن کے ذریعے جب آگ اسلحہ خانے تک پہنچی تو اس اندیشے نے تقویت پکڑی۔

وکیل صفائی: جناب والا آگ اس سے پہلے کیوں نہیں لگی اور اب کیوں لگی اور کیسے لگی آیا اسلحہ خانے کا فائر انشورنس تھا اور اگر تھا تو نقصان کتنا ہوا۔ اور تلافی کتنی ہوئی

وکیل استغاثہ: مائی لارڈ آبجکشن۔ میرے موکل کی نیت پر حملہ کیا جارہا ہے۔

جج: عدالت اس الزام کی صحت چاہتی ہے۔

وکیل صفائی: جناب والا! یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ انشورنس کی رپورٹس اس پر روشنی ڈال سکتی ہیں۔ (کٹ)

سین نمبر ۷ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس میں گہما گہمی ہے۔ ایک میز پر غنڈہ، بوس، وکیل صفائی، آرٹسٹ ایجنٹ اور صحافی بیٹھے ہیں)

غنڈہ: (میز پر زور سے ہاتھ مار کر) کافی ہاؤس کو کوئی نہیں بند کر سکتا سیٹھ۔ ایمان سے ہم اس کو اس کے اسلحہ سمیت اٹھا کے لائے گا اور کمرے میں بند کر دے گا۔

وکیل صفائی: نہیں نہیں نہیں مجو! یہ قانونی کام ہے۔ اس کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا جا سکتا

غنڈہ: ہر کام قانون سے نہیں ہوتا ہے وکیل صاحب! میرے کو پرمیشن دیو پھر دیکھو

بوس: نہیں مجو! یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔

وکیل صفائی: یہ ایک بالکل صحیح تقدمہ ہے اسلحہ اور آگ ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس کے قطع نظر کہ غلطی کسی کی ہے یا نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے پاس اسلحہ کا لائسنس ہمارے کافی ہاؤس کے لائسنس سے پرانا ہے۔

آرٹسٹ: اس کا مطلب ہے ہم کمزور پڑتے ہیں۔

وکیل صفائی: اس بنیاد پر یقیناً کمزور پڑتے ہیں۔

صحافی: اور خدانخواستہ خدانخواستہ ہم کیس لُوز کرتے ہیں تو؟

(وکیل سے پہلے بوس جواب دیتا ہے)

بوس: تو یہاں کافی ہاؤس کی بجائے کپڑا یا سبزی کی دوکان ہوگی۔

ایجنٹ: یہ تو ظلم ہے۔

آرٹسٹ: کافی ہاؤس کو ہر قیمت پر بچانا ہے دوستو۔ اس کے لیے میرا نام میرا فن حاضر ہے

صحافی: میرے پاس اخبار ہے میں دامے درمے سخنے کام کر سکتا ہوں۔

ایجنٹ: میں اپنے پریمیم کا سارا کمیشن ڈونیٹ کرنے کو تیار ہوں۔

غنڈہ: (میز پر ہاتھ مار کر) میرے کو بولو میں کیا کر سکتا ہوں وکیل صاحب میرے کو بولو

(کٹ)

سین نمبر ۳: ہسپتال کا بیڈ

(بخشی کے پاس دوست جمع ہیں)

بخشی: کافی ہاؤس کو بچانے کے لیے ایک دستخطی مہم چلائی جائے۔

بوس: کس بنیاد پر؟

بخشی: اِس بنیاد پر کہ کافی ہاؤس صرف ایک تجارتی مرکز نہیں ایک، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ادارہ بھی ہے اور یہ بند نہیں ہونا چاہیئے۔

ایجنٹ: کوئی مانے گا اس بات کو؟

بخشی: کوئی مانے نہ مانے۔ ہمیں اپنا کام کرنا ہے شعلہ صاحب لکھیے اپ اپیل۔

شعلہ: آپ بولیے بخشی صاحب! میں لکھتا ہوں۔

بخشی: اِس کی مختلف کاپیاں بنا کر ہر معقول آدمی سے دستخط لیجیے لکھیے میں بولتا ہوں

(شعلہ کاغذ پنسل لے کر لکھنے بیٹھتا ہے بخشی لکھوانے لگتا ہے)

بخشی: لکھیے۔ (کٹ)

سین نمبر ۹ : آؤٹ ڈور

(آرٹسٹ۔ شعلہ، ایجنٹ، صحافی، سی آئی ڈی والا، سحافی وغیرہ، لوگوں کا راستہ روک روک کر دستخط لے رہے ہیں۔ دکٹ)

سین نمبر ۱۰ : مونتاژ

(کھٹا کھٹ مشین چل رہی ہے اور اخبار چھپ رہا ہے اخبار کے چھپنے کے مختلف شاٹس) (دکٹ)

سین نمبر ۱۱ : عدالت

وکیل استغاثہ : (اخبار دکھاتے ہوئے) جناب والا! میں عدالت کی توجہ اس اخباری بیان کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس میں لوگوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک اپیل کے ذریعے مقدمے کی کارروائی میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عدالت کو اس بیان کے خلاف سخت نوٹس لینا چاہیے۔

وکیل صفائی : جناب والا اس بیان کا مقدمے کی کارروائی کے ساتھ براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے یہ تو دانشوروں کی کافی ہاؤس کے ساتھ ایک جذباتی وابستگی اور محبت ہے اور ج چونکہ کافی ہاؤس کو وہ صرف ایک تجارتی مرکز ہی نہیں علمی ادبی اور تہذیبی و ثقافتی ادارہ بھی سمجھتے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے دستخطوں کے ساتھ ایک اپیل کے ذریعے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مدعی عوام کے جذبات و خیالات پر قدغن لگانے کا مطالبہ کیسے کر سکتا ہے؟

جج : کیا وکیل صفائی اس بات سے متفق ہیں کہ کافی ہاؤس ایک ادبی و ثقافتی ادارہ ہے۔

وکیل صفائی : جناب والا! یقیناً کافی ہاؤس ایک ادبی و ثقافتی ادارہ ہے۔

جج : کیا یہ ایک تجارتی ادارہ نہیں؟

وکیل صفائی : یقیناً یہ ایک تجارتی ادارہ بھی ہے۔

جج : گویا یہ تجارتی ادارہ بھی ہے اور ثقافتی ادارہ بھی ہے۔

وکیل صفائی : جناب والا!

جج : کیا اسلحہ خانہ بھی ایک تجارتی ادارہ ہے۔

وکیل صفائی : جناب والا اسلحہ خانہ ایک خالص تجارتی ادارہ ہے۔

جج : کافی ہاؤس کس طرح ثقافتی و ادبی ادارہ ہے۔

وکیل صفائی : مائی لارڈ کافی ہاؤس میں شہر کے ادیبوں شاعروں اور دانشوروں کا اجتماع ہوتا ہے۔ وہ یہاں بیٹھ کر صرف چائے اور کافی ہی نہیں پیتے بلکہ ہر موضوع پر عالمانہ گفتگو کرتے ہیں اور ان کی گفتگو سے علم کی شمعیں روشن ہوتی ہیں اور انسانی ذہن کو جلا ملتی ہے۔

جج : اگر ادیبوں اور دانشوروں کا یہ اجتماع بزاز کی دکان پر ہونے لگ جائے تو کیا بزاز کی دوکان بھی ثقافتی ادارہ بن جائے گی؟

(لوگ ہنستے ہیں)

وکیل صفائی : جناب والا! میرے نزدیک جہاں بھی ثقافت کو فروغ ملے وہ ثقافتی جگہ ہے۔

جج : فرض کیجئے یہ لوگ اسلحہ خانے میں بیٹھنے لگ جائیں تو کیا اسلحہ خانہ بھی ثقافتی ادارہ بن جائے گا؟

وکیل صفائی : جناب والا! یہ لوگ کبھی بھی اسلحہ خانہ میں نہیں بیٹھیں گے اور اگر فرض کیجئے یہ بیٹھنے لگ جائیں تو پھر وہ اسلحہ خانہ نہیں ہوگا۔ پھول جہاں کھلنے لگ جائیں وہ کیسی ہی زمین سہی بہرحال گلزار کہلائے گی۔

(واہ واہ کی آوازیں)

جج : آرڈر، آرڈر۔

وکیل استغاثہ: جناب والا! یہ فقط لفاظی ہے کافی ہاؤس میں بیٹھنے اور محفلیں جمانے والے لوگ زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو کوئی کام نہیں کرتے سارا سارا دن ایک جگہ بے مقصد بیٹھ کر اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کا کوئی پیشہ اور کوئی آئی ڈنٹٹی نہیں ہے ان میں سے بہت سے لوگوں کے بیوی بچے فاقہ کشی کا شکار ہیں اور یہ لوگ خود کافی ہاؤس میں بیٹھ کر دن بھر چائے کافی اور سگریٹ کے دھوئیں اڑاتے ہیں۔ جناب والا! علم، ادب، ثقافت اور تہذیب معاشرے پر بوجھ نہیں بلکہ معاشرے کا افتخار ہے لیکن کافی ہاؤس کے اکثر لوگ نہ صرف معاشرے پر بلکہ اپنے خاندان کے کندھوں پر بھی ایک بوجھ بنے ہوئے ہیں للہٰذا ایسے لوگوں کے اجتماع کو تہذیب اور ثقافت کا اجتماع کہنا تہذیب و ثقافت کی توہین ہے اور اس اجتماع کو مقدمے کی کارروائی پر اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دیا جانا چاہیئے۔

وکیل صفائی: جناب والا! معزز وکیل نے درست کہا ہے کہ کافی ہاؤس کے دانشوروں کے بیوی بچے فاقہ کشی کا شکار رہتے ہیں لیکن اس کے لیے کون ذمہ دار ہے۔ سوسائٹی یا دانشور؟ یہ کہنا کہ ان دانشوروں کا کوئی پیشہ نہیں اور ان کی کوئی آئی ڈنٹٹی نہیں۔ میں فاضل وکیل سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا شاعری اور افسانہ نگاری کوئی کام نہیں؟ کیا ایک تحقیقی اور علمی مقالہ لکھنا کوئی کام نہیں ہے۔ کیا فلسفے کو فروغ دینا کوئی کام نہیں ہے۔ یہ تو وہ کام ہیں جو صرف دانشور کر سکتے ہیں۔ وکیل، ڈاکٹر، انجینئر، ڈرائیور، درزی، نائی، دھوبی اور موچی ہر آدمی بن سکتا ہے لیکن فلسفے پر کتاب ہر آدمی نہیں لکھ سکتا شاعری ہر آدمی نہیں کر سکتا۔ افسانہ اور ڈرامہ لکھنا سب کے بس کی بات نہیں ہے تنقید سب نہیں لکھ سکتے۔ دانشوروں کا کام وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں اسکول کالج اور یونیورسٹیاں اپنا کام ختم کر چکی ہوتی ہیں اور اگر ان کے کام کا انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملتا تو یہ سوسائٹی کے لیے افسوس کا مقام ہے۔ اس کے لیے دانشور

موردِ الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔ یہی دانشور اگر اپنی عقل و دانش کو اسمگلنگ کے کاروبار میں صرف کر دیں تو چٹکی بجاتے ہیں کروڑپتی بن سکتے ہیں۔ اُس وقت ان کے نیچے ایئر کنڈیشنڈ کاروں میں گھومیں گے کیا اس وقت یہ لوگ فاضل وکیل کے لیے قابلِ عزت بن جائیں گے اور اب قابلِ نفرت ہیں۔ دانشوروں کی معاشی بدحالی کا پہلو فاضل وکیل کے لیے لمحہ فکریہ ہونا چاہیئے نہ کہ وہ اس کا تمسخر اڑائیں۔

جج : عدالت برخاست ہوتی ہے۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۲ : کافی ہاؤس

(بوس، بوس کا بیٹا، صحافی، آرٹسٹ اور کچھ دوسرے لوگ ایک جگہ جمع ہیں)

آرٹسٹ : عدالت کے رویّے سے کیا اندازہ ہوتا ہے آپ کو؟

بوس : عدالت کا رویّہ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہے۔

صحافی : ایک بات تو اسٹیبلش ہوگئی ہے کہ آگ لگنے کا خطرہ موجود ہے۔

ایجنٹ : اور یہ بات بھی اسٹیبلش ہو چکی ہے کہ اسلحہ خانہ کافی ہاؤس کے مقابلے میں زیادہ پرانا ہے۔

بوس : اگر کوئی یہ مانتا ہے کہ کافی ہاؤس تہذیب و ثقافت ....

بوس کا بیٹا : کون مانتا ہے اس بات کو اور ماننا بھی نہیں چاہیئے۔ عدالت خود اس تہذیب و ثقافت کا مذاق اڑا چکی ہے جو کافی ہاؤس کے اندر پرورش پا رہی ہے۔ میری بات مانیں ڈیڈی تو آپ تیار رہیں۔

بوس : کس بات کے لیے؟

بوس کا بیٹا : اِس بات کے لیے کہ یا آپ کافی ہاؤس کو بیچ دیں یا پھر واقعی یہاں کپڑے وغیرہ کا کاروبار شروع کر دیں۔ میں یقیناً آپ سے کم تجربہ رکھتا ہوں۔ چھوٹا

ہوں۔ اور ناسمجھ ہوں لیکن ایک بات بتادوں کہ فیصلہ آپ کے خلاف آرہا ہے
(سب لوگ ہکے بکے بوس کے بیٹے کو دیکھتے ہیں)   (کٹ)

سین نمبر ۱۳ : دفتر

(ایس کے نیاز محمد کا دفتر ہے جہاں دو تین آدمی بیٹھے مقدمے کی کارروائی پر بات کر رہے ہیں)

نیاز محمد: بھئی میں نے تو اسے شریفانہ طور پر یہاں تک آفر دی کہ اگر چھوڑتے ہو کانی ہاؤس چھوڑ دو اور منہ مانگی رقم لے لو۔

پہلا آدمی: نہیں صاحب، شرافت کا زمانہ ہی نہیں ہے۔

دوسرا آدمی: آپ نے بہت اچھا کیا۔ یہ صرف آپ کا مسئلہ نہیں ہے اگر آگ لگ گئی تو سارا شہر جل جائے گا۔

تیسرا آدمی: اجی صاحب! فضول لوگوں کا ٹھکانہ ہے بیکار سارا دن بیٹھے رہتے اور دوسروں کا وقت، برباد کرتے رہتے ہیں۔

پہلا آدمی: ارے بھئی بات یہیں تک نہیں ہے سامنے بلڈنگوں میں دوسروں کی لگائیوں کو بیٹھے تاڑتے رہتے ہیں۔

نیاز محمد: ارے صاحب ہمیں ان باتوں سے کیا تعلق یہ ان کا ذاتی فعل ہے کوئی کچھ کرے لیکن ہم کھلی آنکھوں سے اپنے گودام اور سارے شہر کو تو نہیں جلنے دیں گے۔ کورٹ خود جگہ کا معائنہ کر کے گئی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کچن سے گودام کو آگ لگنے کا اندیشہ موجود ہے۔   (کٹ)

سین نمبر ۱۴ : کمرۂ عدالت

وکیل صفائی: جناب والا میرا موکل اس بات کی ضمانت دینے کو تیار ہے کہ وہ اپنے کچن کو مکمل طور پر فائر پروف بنا دے گا، اور آگ لگنے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہے گا

جج : (ازراہِ مذاق) کیا آپ کا موکل اسلحہ اور بارود کو بھی مکمل طور پر فائر پروف بنانے کی ضمانت دینے کو تیار ہے (سب ہنستے ہیں)

وکیل استغاثہ : جناب والا! اِس طرح کی کوئی ضمانت قبول کرنا انسانی جان و مال کو خطرے میں ڈال دینا ہے۔ یہ آگ اور پیٹرول کا ملاپ ہے اور محض کسی ایک آدمی یا ایک تجارتی ادارے کی منفعت کی خاطر بے شمار لوگوں کے مال و متاع اور زندگی سے نہیں کھیلا جا سکتا۔ اِس خطرناک اندیشے کو روکنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ کافی ہاؤس کو بند کر دیا جائے۔

وکیل صفائی : جنابِ والا! کافی ہاؤس کا بند ہو جانا بہت افسوس ناک بات ہو گی دنیا پھیل رہی ہے بڑھ رہی ہے ایک سے ایک نیا بازار وجود میں آرہا ہے نئی سے نئی مارکیٹیں قائم ہو رہی ہیں جیولری کے جدید بازار کھل رہے ہیں کپڑے کی نئی مارکیٹیں قائم ہو رہی ہیں کاسمیٹکس کے نت نئے مینا بازار کھل رہے ہیں اور ایسے میں کافی ہاؤس جیسے ایک پرانے تہذیبی اور ثقافتی مرکز کا بند ہو کر وہاں کپڑے یا جوتوں کی دکان کا کھل جانا یا اسلحہ خانے میں منتقل ہو جانا پورے معاشرے کے لیے ایک بہت ہی افسوسناک و عبرتناک بات ہو گی۔

جج : وکیل صفائی بار بار اِس دعوے کی تکرار سے گریز کریں کہ کافی ہاؤس ایک تہذیبی و ثقافتی ادارہ ہے۔ قانون محض دعوے کو نہیں ثبوت اور دلیل کو مانتا ہے۔

وکیل صفائی : جنابِ والا! اجازت دی جائے کہ اس معاملے میں ملک کے مقتدر ادیبوں، دانشوروں کو شہادت کے طور پر پیش کیا جائے۔ (کٹ)

سین نمبر ۱۵ : کافی ہاؤس

کاؤنٹر

کیشیر : رمضو میاں، یہ لو تمہاری پرچیاں اور علمو یہ تمہاری پرچیاں ہیں۔

علمو : کاہے کو دے رہے ہو بابو؟

کیشئر : بھئی بھروسہ نہیں ہے کچھ کہ کافی ہاؤس کب بند ہو جائے ۔ یہ پرچیاں وصول کر سکتے ہو تو کر لو۔

رمضو : ارے اللہ اللہ کرو بابو ۔ اس کے دربار میں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اور پھر خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو پھر یہ پرچیاں کیا چیز ہیں ۔ جہاں کافی ہاؤس گیا وہاں یہ پرچیاں بھی ۔

کیشیر : بھئی تم لوگوں کا حساب ہے تم لوگ جانو ۔ خدانخواستہ کوئی ایسی بات ہو گئی تو میرا کھاتہ تو صاف نکلے ۔

رمضو : اللہ مسبب الاسباب ہے وہی سب باد و بیات جانتا ہے ۔

علمو : ویسے رمضو میاں نوکریوں کا بندوبست تو ہم لوگوں کو کر لینا چاہیئے ۔ یہاں کا بھروسہ نہیں ہے اب ۔

رمضو : بھروسہ تو کہیں کا بھی نہیں ہے اب ۔ پر حوصلہ نہ ہارو ہم نے سنا ہے آج بخمی صاحب کا بھی کورٹ میں بیان ہے ۔

کیشئر : بخمی صاحب کے بیان سے کیا ہو گا؟

رمضو : بھلے نہ ہو ۔ حوصلہ تو ہے ۔ بڑا نام ہے ان کا ۔ دنیا مانتی ہے ۔

علمو : پر بخمی صاحب تو بہت بیمار ہیں بیان کیسے دیں گے؟

رمضو : بڑے دل والے ہیں ۔ ایمبولنس میں گئے ہیں بیان دینے ۔
(کٹ)

سین نمبر ۱۶ : کمرۂ عدالت

(بخمی نہایت ہی نحیف اور کمزور آواز میں کھڑا بول رہا ہے)

بخمی : چشمہ وہ ہے جو پھوٹ کر باہر نکلتا ہے وہ نہیں جو نہ مین کے اندر چھپا ہوتا ہے اور فیض نہیں پہنچا رہا ۔ ہمارے سینے میں جو کچھ ہے وہ لب پر آنا چاہتا ہے ہمارے علم اور ہمارے تجربے کو آوٹ لٹ چاہیئے ۔ ہمیں کچھ کہنا کچھ سننا ہے

لیکن ہم کسی نائٹ کلب کے ممبر نہیں ہیں۔ ہم غریب لوگ ہیں جن کے سینے تو علم کی دولت سے مالا مال ہیں لیکن جیب میں چائے کی پیالی کے پیسے نہیں ہوتے۔ ہم لوگ چھوٹے چھوٹے تنگ اور گھٹے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں۔ ہمارے پاس بڑے بڑے زائد کمرے اور ڈرائنگ روم نہیں ہوتے جہاں بیٹھ کر ہم اپنی کہیں اور دوسروں کی سنیں اس مقصد کے لیے ہمارے پاس کافی ہاؤس ہے۔ دنیا کے ہر بڑے شہر میں کوئی کافی ہاؤس کوئی چائے خانہ یا کوئی مے خانہ ہوتا ہے جہاں ادیب، شاعر اور دانشور بیٹھ کر تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے چائے خانے اور کافی ہاؤس چلتی پھرتی یونیورسٹیاں ہیں ان یونیورسٹیوں کو باقی رکھو دوستو، اگر ان کی تعداد میں اضافہ نہیں کر سکتے ہو تو انہیں کم بھی نہ کرو۔

(معاً وکیل استغاثہ پھدک کر تیزی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس نے بجّی کے بیان میں مداخلت کی ہو)

وکیل استغاثہ: جناب والا! ..... (ہم آواز بند کر دیتے ہیں۔ وہ کچھ بولے جا رہا ہے۔ آواز سنائی نہیں دے رہی)

(پھر وکیل صفائی کچھ کہہ رہا ہے مگر آواز نہیں ہے سارا سین MUTE ہوتا ہے۔ دونوں وکیل ایک دوسرے کو کاٹ کر بولتے ہیں ان کے چہرے ایک دوسرے پر سپر امپوز ہوتے ہیں۔ دلائل کا شدید مقابلہ دکھایا جاتا ہے)

(کٹ)

سین نمبر ۱۷ : کافی ہاؤس

(کافی ہاؤس بالکل خالی ہے کیمرہ خالی کرسیوں پر اور میزوں کا جائزہ لے کر کاؤنٹر پر آ کے ساکت ہو جاتا ہے کاؤنٹر پر علمو، رمضو اور کیشیر مصروف گفتگو ہیں)

کاؤنٹر

(سی آئی ڈی والا کافی ہاؤس میں داخل ہوتا ہے اور خالی کافی ہاؤس دیکھ کر

دھیرے دھیرے کاؤنٹر پر آتا ہے)

سی آئی ڈی: کہاں گئے سب لوگ؟

رمضو: فیصلہ۔

سی آئی ڈی: فیصلہ؟

رمضو: آج فیصلہ ہے کافی ہاؤس کا اور سب لوگ فیصلہ سننے گئے ہوئے ہیں۔ آپ نہیں گئے؟

سی آئی ڈی: نہ ڈیوٹی۔

رمضو: کاہے پر ہے ڈیوٹی آج۔ یہاں تو خالی میز کرسیاں ہیں۔ اوہ سمجھا۔

(معاً سبحانی داخل ہوتا ہے)

سبحانی: کہاں گئے سب لوگ؟

رمضو: آپ کو نہیں معلوم۔ آج فیصلہ ہے۔

سبحانی: (چونک کر) ارے رے رے رے...

(سبحانی تیزی سے کافی ہاؤس سے نکل جاتا ہے اور پیچھے پیچھے سی آئی ڈی والا بھی نکل جاتا ہے۔ کافی ہاؤس پھر خالی ہو جاتا ہے۔ دیوار پر لگا ہوا کلاک ٹک ٹک ٹک ٹک کی آواز بلند کر رہا ہے۔ کمرے میں سناٹا ہے۔ رمضو، علمو، اور کیشیئر نظریں دیوار پر لگائے کلاک کی ٹک ٹک سن رہے ہیں۔ کیشیر بڑبڑاتا ہے۔ فیصلہ۔ کٹ)

سین نمبر ۱۸: کمرۂ عدالت

(کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا ہے)

جج: عدالت مقدمے کی کارروائی سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہے کہ کافی ہاؤس صرف ایک تجارتی جگہ ہی نہیں ادبی، تہذیبی، علمی اور ثقافتی مرکز بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی عدالت مدعی کے اس دعوے میں وزن محسوس کرتی ہے کہ کتنی ہی احتیاط کیوں نہ کی جائے کافی ہاؤس کے ذریعے اسلحہ خانہ

میں آگ لگنے کا اندیشہ ہر وقت موجود ہے اور کسی وقت بھی تباہ کن آتشزدگی کی واردات ہو سکتی ہے۔ عدالت مسئلے کی نوعیت پر بہت غور و خوض کے بعد اِس نتیجے پر پہنچی ہے کہ کافی ہاؤس اور اسلحہ خانہ کو ایک دوسرے سے جدا کرنا اِنسانی جان و مال کے تحفظ کے لیے بہت ضروری ہے لہٰذا عدالت فیصلہ دیتی ہے کہ اسلحہ خانے کو فوری طور پر کسی دوسری جگہ پر منتقل کر دیا جائے۔

(حاضرین کے چہرے پر تمازت آجاتی ہے وہ عدالت کے وقار کا خیال کیے بغیر ایک زوردار نعرہ لگاتے ہیں، ہا ہا ہا ہا ہا ہا۔

جج : (زیرِ لب مسکراہٹ سے ہتھوڑا مار کر) سائلنس۔ یہ کافی ہاؤس نہیں ہے۔

(کٹ)

سین نمبر ۱۹ : کافی ہاؤس

(دوسرا نعرہ کافی ہاؤس میں لگتا ہے۔ کافی ہاؤس کے تمام کیریکٹرز ایک گروپ فوٹو کی شکل میں جمع ہیں)

